سورۃ المدثر

آیاتھا ۵۶ ۔ ۷۴ سورۃ المدثر مکیۃ ۴ ۔ رکوعاتھا ۲

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے، اس کی چھپن آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿۴﴾

"اے چادر لپیٹنے والے اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرایئے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے لباس کو پاک رکھیے"۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مدثر کا معنی اور اس سورت کا نزول

مسئلہ نمبر 1۔ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ اے وہ ذات جس نے اپنے آپ کو اپنے کپڑے سے ڈھانپ لیا ہے اور نیند کی حالت میں ہے! اس کی اصل المتدثر ہے تا، کو دال میں ادغام کر دیا کیونکہ وہ باہم نسبت رکھتے ہیں۔ اُبی نے اسے اصل پر المتدثر پڑھا ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سورت کا اکثر حصہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوا۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترت وحی کے بارے میں بیان کر رہے تھے: "اسی اثنا میں کہ میں چل رہا تھا تو میں نے آسمان کی جانب سے آواز سنی، میں نے اپنا سر اٹھایا کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو حرا میں میرے پاس آتا تھا وہ آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں اس وجہ سے ڈر گیا اور میں لوٹ آیا تو میں نے کہا: مجھے کملی اوڑھا دو، مجھے کملی اوڑھا دو۔ تو انہوں نے مجھے کملی اوڑھا دی، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿۴﴾ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۪ۙ﴿۵﴾ "ایک روایت میں ہے: یہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ رجز سے مراد بت ہیں کہا: پھر لگا تار وحی آنے لگی۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام مسلم نے کہا: زہیر بن حرب، ولید بن مسلم سے وہ اوزاعی سے وہ یحییٰ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسلمہ سے پوچھا قرآن حکیم کا کون سا حصہ سب سے پہلے نازل ہوا؟ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ میں نے کہا: کیا اِقْرَاْ تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا: قرآن حکیم کا کون سا حصہ پہلے نازل ہوا؟ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ میں نے کہا: کیا اقرا تو حضرت جابر نے کہا: میں تمہیں وہ بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیان کیا ہے۔ فرمایا: "میں نے غار حرا

میں ایک ماہ تک اعتکاف کیا جب میں نے اعتکاف کو پورا کر لیا تو میں وہاں سے نیچے اترا میں وادی کے بطن میں پہنچا تو مجھے آواز دی گئی میں نے اپنے سامنے، اپنے پیچھے، اپنے دائیں اور اپنے بائیں دیکھا تو میں نے کسی کو نہ دیکھا مجھے پھر ندا کی گئی میں نے دیکھا تو میں کسی کو نہ دیکھ سکا۔ مجھے پھر ندا کی گئی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو وہ ہوا میں عرش پر متمکن تھا یعنی جبرئیل علیہ السلام۔ مجھے شدید کپکپی نے اپنی گرفت میں لے لیا میں حضرت خدیجہ کے پاس آیا میں نے کہا: مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو، انہوں نے مجھ پر پانی انڈیلا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ''(1)۔ امام بخاری نے اس روایت کو نقل کیا ہے اس میں کہا میں حضرت خدیجہ کے پاس آیا میں نے کہا:''مجھے کملی اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہا دو۔ انہوں نے مجھ پر کملی ڈال دی اور ٹھنڈا پانی مجھ پر انڈیلا تو یہ آیات نازل ہوئیں یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۙ''۔

علامہ ابن عربی نے کہا: ایک مفسر نے کہا عقبہ بن ربیعہ کی جانب سے بدسلوکی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو کر گھر لوٹ آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضطرب ہوئے اور لیٹ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ قول باطل ہے(2)۔ قشیری ابونصر نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ کی یہ بات پہنچی کہ تو جادوگر ہے، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوا اور بخار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اپنے اوپر لپیٹ لی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں میں نہ سوچتے رہیں اور انہیں رسالت کا پیغام پہنچائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: ابولہب، ابوسفیان، ولید بن مغیرہ، نضر بن حرث، امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور مطعم بن عدی اکٹھے ہوئے انہوں نے کہا: عرب کے وفود ایام حج میں جمع ہو رہے ہیں وہ ایک دوسرے سے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں باہم پوچھتے ہیں جب کہ تم ان کے بارے میں مختلف باتیں کرتے ہو کوئی کہتا ہے: وہ مجنون ہیں، کوئی کہتا ہے: وہ کاہن ہیں، کوئی کہتا ہے: وہ شاعر ہیں۔ سارے عرب جہاں جائیں گے یہ سب ایک آدمی کے بارے میں رائے قائم کرنے میں متفق نہیں تم محمد کو ایک نام دو جس پر تم سب متفق ہو اور عرب بھی اسے وہی نام دیں۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا: وہ شاعر ہے، ولید نے کہا: میں نے ابن ابرص اور امیہ بن صلت کا کلام سنا ہے، محمد (مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء) کا کلام ان میں سے کسی کے بھی مناسب نہیں۔ انہوں نے کہا: وہ کاہن ہیں، ولید نے کہا: کاہن کبھی سچ بولتا ہے اور کبھی جھوٹ بولتا ہے جب کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ایک اور اٹھا اس نے کہا: وہ مجنون ہیں۔ ولید نے کہا: جنون تو لوگوں کے گلے دباتا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو گلا نہیں دبایا گیا۔ ولید اپنے گھر چلا گیا قریش نے کہا: ولید بن مغیرہ بے دین ہو گیا۔ ابوجہل اس کے پاس آیا اور کہا: اے ابا عبد شمس! کیا بات ہے یہ قریش تجھے مال دینے کے لیے مال جمع کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے تو محتاج ہو گیا ہے اور بے دین ہو گیا ہے۔ ولید نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں لیکن میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں سوچا میں نے کہا: جادوگر کی کیا حقیقت ہوتی ہے؟ تو کہا گیا: وہ باپ، بیٹے، بھائی، میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے تو میں نے کہا: وہ جادوگر ہے یہ بات لوگوں میں عام ہو گئی تو وہ شور مچانے لگے: بے شک محمد جادوگر ہیں (نعوذ

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ، جلد 29		2۔ احکام القرآن لابن العربی

باللہ) رسول اللہ ﷺ مغموم گھر آئے اور ایک چادر لپیٹ لی تو یہ آیت نازل ہوئی یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ عکرمہ نے کہا: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کا معنی ہے اے نبوت اور اس کی ذمہ داریوں کو اٹھانے والے! علامہ ابن عربی نے کہا: یہ مجاز بعید ہے کیونکہ ابھی آپ ﷺ نے تبلیغ کا سلسلہ شروع نہ کیا تھا جب کہ یہ نزول قرآن کا آغاز تھا رسول اللہ ﷺ نے اس سورت میں موجود احکام پر شدت سے عمل شروع نہ کیا تھا کیونکہ نازل ہونے والی یہ دوسری سورت تھی۔

صفت کے ساتھ خطاب محبت و شفقت کی دلیل ہے

مسئلہ نمبر 2۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ کریم ذات کی طرف سے اپنے محبوب کے لیے خطاب میں شفقت و نرمی کا اظہار ہوتا ہے جب وہ ذات اسے اس کی حالت سے ندا کرے اور اس کی صفت کے ساتھ اسے تعبیر کرے یہ نہیں فرمایا: اے محمد! اے فلاں! تا کہ اس کے رب کی جانب سے نرمی اور شفقت کا شعور دلائے جس طرح سورۂ مزمل میں پہلے گزر چکا ہے اس کی مثل حضرت علی شیر خدا کے لیے سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے جب وہ مسجد میں سو رہے تھے: قم ابا تراب، اے ابو تراب! اٹھو۔ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو کر گھر سے نکلے تھے ان کی چادر گر گئی تھی اور ان کے جسم کو مٹی لگ گئی تھی۔ امام مسلم نے اس روایت کو نقل کیا ہے اس کی مثل رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ کے لیے غزوۂ خندق کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا: قم یانومان اے سونے والے! اٹھو۔ یہ پہلے گزر چکی ہے۔

انداز سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 3۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ اہل مکہ کو ڈرایئے انہیں عذاب سے خبردار کیجئے اگر وہ اسلام نہ لائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں انذار سے مراد اپنی نبوت کا اعلان ہے کیونکہ یہ رسالت کا مقدمہ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ انہیں توحید کی طرف دعوت دینا ہے کیونکہ نبوت و رسالت سے یہی مقصود ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: اٹھیے نماز پڑھیے اور نماز کا حکم دیجئے۔

تکبیر کہنے کا حکم اور اس کے اسباب

مسئلہ نمبر 4۔ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ اپنے سردار، اپنے مالک اور اپنے معاملات کو درست کرنے والے کی عظمت بیان کر اور اس کی یہ صفت بیان کر کہ وہ اس سے برتر ہے کہ اس کا کوئی بیٹا یا بیوی ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ نے پوچھا: نماز کو کیسے شروع کیا جائے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ یعنی اس کی اس سے صفت بیان کرو کہ وہ سب سے بڑا ہے۔ علامہ ابن عربی نے کہا: یہ ارشاد اگرچہ اس کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ نماز کی تکبیر کو بھی شامل ہے تاہم اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرنا اور اس کی پاکی بیان کرنا ہے کہ اس کے سوا تمام شریکوں اور بتوں سے لاتعلقی کا اظہار کیا جائے اور اس کے سوا کسی کو اپنا دوست نہ بنا، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کیا کر، اس کی مشیت کے سوا کسی کے لیے فعل کے ثبوت کو نہ دیکھ اور اس کے سوا کسی کی طرف سے نعمت نہ جان۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ ابو سفیان نے غزوۂ احد کے موقع پر کہا تھا: اعل ھبل تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم کہو اللہ اعلیٰ و اجل (اللہ سب سے بلند اور عظیم ہے) عرف شرع میں یہ لفظ تمام عبادات (نماز، آذان اور ذکر) میں اللہ اکبر

کے ساتھ ادا کیا جانے لگا۔ اس پر اس لفظ کو محمول کیا گیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مختلف مواقع پر وارد ہوا جن میں سے ایک یہ ارشاد ہوا: تحریمھا التکبیر و تحلیلھا التسلیم (1) (نماز کا وہ عمل جو تمام دوسرے امور کو حرام کر دیتا ہے وہ تکبیر ہے اور وہ عمل جو دوسرے امور کو حلال کر دیتا ہے وہ سلام ہے) شرع اس کے عرف کا اس طرح تقاضا کرتی ہے جس طرح اس کی عمومیت کا تقاضا کرتی ہے وہ مواقع جہاں تکبیر کہی جاتی ہے ان میں جانور ذبح کرنے کے وقت تکبیر کہنا ہے تا کہ یہ ظاہر کیا جائے کہ کوئی اس کا شریک نہیں، قربانی میں اس کے نام کا اعلان اور خون بہانے کا جو حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اس امر کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنے کے لیے ہے۔

میں کہتا ہوں: سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ اللہ اکبر کا لفظ ہی وہ لفظ ہے جس کا نماز میں حکم دیا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، تفسیر میں ہے جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے کہا: اور کہا اللہ اکبر۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی کہا: اللہ اکبر۔ حضرت خدیجہ کو بھی علم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہے۔

کَبِّرْ پر فاء کی لغوی حیثیت

مسئلہ نمبر 5۔ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ میں فاء جواب جزا کے معنی پر داخل ہوئی ہے جس طرح فَاَنْذِرْ میں داخل ہوئی ہے تقدیر کلام یوں ہوگی قم فانذر و قم فکبر ربك؛ یہ زجاج کا نقطہ نظر ہے۔ ابن جنی نے کہا: یہ تیرے قول زید افاضرب کی طرح ہے یعنی زید ا اضرب۔ یہاں فاء زائدہ ہے۔

ثیاب کی طہارت سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 6۔ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ اس میں آٹھ قول ہیں۔ (۱) ثیاب سے مراد عمل ہے (۲) دل (۳) نفس (۴) جسم (۵) اہل (۶) خلق (۷) دین (۸) ظاہری لباس۔ جو پہلے قول کی طرف گیا ہے اس نے کہا: آیت کی تاویل یہ ہے اپنے عمل کو درست کرو؛ یہ مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ منصور نے ابن رزین سے روایت نقل کی ہے: اپنے عمل کو درست کرو۔ کہا: جب ایک آدمی کا عمل خبیث ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں: انّ فلانا خبیث الثیاب۔ جب وہ اچھے عمل والا ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں: انّ فلانا طاہر الثیاب؛ سدی سے اسی طرح مروی ہے؛ اس معنی میں شاعر کا شعر ہے:

لاھُمَّ اِنَّ عامرَ بن جَھْمِ أَوْذَمَ حَجًا فی ثِیَابٍ دُسْمِ

اے اللہ! عامر بن جہم نے گناہوں سے لت پت ہو کر حج کیا۔

اس معنی میں وہ روایت بھی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: یحشر المرء فی ثوبیہ الذین مات علیھما (2) یہاں ثوبیہ سے مراد اس کے اچھے اور برے اعمال ہیں؛ ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے۔ جو دوسرے قول کی طرف مائل ہوئے اس نے کہا: آیت کا معنی ہے اپنے دل کو پاک کیجئے؛ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر کا نقطہ نظر ہے؛ اس کی دلیل امرء

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فرض الوضو، حدیث نمبر 56۔ سنن ابن ماجہ، باب مفتاح الصلاۃ الطھور، حدیث 270، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز باب مایستحب من تطھیر ثیاب المیت عند الموت، حدیث نمبر 2707، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

القیس کا شعر ہے:

فَسُلِّی ثیابی من ثیابك تَنْسُلِ

یعنی قلبی من قلبك۔ اس میں ثیاب دل کے معنی میں ہے۔ ماوردی نے کہا: اس آیت کی تعبیر میں اس کے دو قول ہیں: ان دو میں سے ایک یہ ہے: اپنے دل کو گناہ اور نافرمانی سے پاک رکھیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور قتادہ کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: اپنے دل کو دھوکہ سے پاک کریں یعنی دھوکہ نہ کرو ورنہ تو گدلے دل والا ہو جائے گا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ غیلان بن سلمہ ثقفی کے قول سے استدلال کیا گیا ہے:

فإنّي بحمد الله لا ثوبَ فاجرٍ لَبِستُ ولا مِن غَدْرَةٍ أتَقَنَّعُ

الحمدللہ میں نے فسق و فجور کا لباس نہیں پہنا اور نہ ہی دھوکہ سے پردہ کیا ہے۔

جو تیسرے قول کی طرف گیا ہے اس نے کہا: آیت کا معنی یہ ہے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کیجئے۔ عرب نفس کو ثیاب سے تعبیر کرتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ اس معنی میں عنترہ کا قول ہے:

فَشَكَكْتُ بالرُّمحِ الطَّويلِ ثِيابَهُ ليس الكريمُ على القنا بمُحَرَّمِ

میں نے لمبے نیزے سے اسے پھاڑ دیا معزز نیزے پر حرام نہیں۔

امراء القیس نے کہا:

فَسُلِّی ثیابی من ثیابك تَنْسُلِ

اس مصرعہ میں بھی ثیاب کا لفظ ذات کے معنی میں ہے۔

شاعر نے کہا:

ثِيابُ بني عوفٍ طَهارَى نَقِيَّةٌ وأوجُهُهُم بيضُ المَسافِرِ غُرّانُ

بنی عوف کے نفس صاف ستھرے ہیں اور ان کے چہرے روشن سفید ہیں۔

یہاں بھی ثیاب سے مراد نفوس ہیں۔

جو چوتھے قول کی طرف گیا ہے اس نے کہا: آیت کا معنی ہے اپنے جسم کو پاک رکھو یعنی ظاہری نافرمانیوں سے پاک رکھو۔ عربوں سے اقوال مروی ہیں جن سے جسم کو ثیاب سے تعبیر کیا گیا ہے ان میں سے ایک لیلی کا قول ہے اس نے اونٹوں کا ذکر کیا:

رموها بأثْيابٍ خِفافٍ فلا تَرى لها شَبَهًا إلّا النّعامَ المُنَفَّرا

یعنی ان پر وہ سوار ہوئے اور اپنے ہلکے پھلکے جسموں کو ان پر پھینک دیا تو تیز رفتار اونٹوں کے سوا کوئی جسم نہ دیکھے گا۔

جو پانچویں قول کی طرف گئے ہیں اس نے کہا: آیت کا معنی یہ ہے وعظ و ادب کے ذریعے اپنے اہل کو گناہوں سے پاک رکھو۔ عرب گھر والوں کے لیے ثوب (کپڑا) لباس اور ازار (تہبند) کا لفظ استعمال کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ: 187) ماوردی نے کہا: ان کے ہاں آیت کی تاویل میں دو صورتیں ہیں (1) اس کا معنی ہے

مومن اور پاک دامن عورتوں کا انتخاب کر کے اپنی بیویوں کو پاک رکھو۔ (۲) ان کی دبر سے لطف اندوز نہ ہو ان کی قبل سے لطف اندوز ہو، ان کے طہر میں ان سے لطف اندوز ہو۔ حیض کے ایام میں ان سے لطف اندوز نہ ہو؛ ابن بحر نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔ جو چھٹے قول کی طرف گیا ہے اس نے کہا: آیت کا معنی ہے اپنے اخلاق کو حسین بناؤ؛ یہ حضرت حسن بصری اور قرظی کا قول ہے کیونکہ انسان کے اخلاق اس کے احوال کو اس طرح جامع ہوتے ہیں جس طرح کپڑے انسان کو احاطہ کیے ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

وَيَحْيَى لَا يُلَامُ بِسوءِ خُلْقٍ وَيَحْيَى طَاهِرُ الْأَثْوَابِ حُرُّ

یحییٰ پر برے اخلاق کی وجہ سے ملامت نہیں کی جاتی اور یحییٰ اچھے اخلاق والا آزاد ہے۔

جو ساتویں قول کی طرف گیا ہے اس نے کہا: آیت کا معنی ہے اپنے دین کو پاک کیجئے۔ صحیحین میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مروی ہے فرمایا: ''میں نے لوگوں کو دیکھا جب کہ ان پر کپڑے تھے ان میں سے کچھ پستان تک پہنچ رہے تھے اور کچھ اس سے نیچے تک پہنچ رہے تھے، میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب کہ اس کے جسم پر چادر ہے جسے وہ گھسیٹ رہے ہیں''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس کی کیا تاویل کی؟ فرمایا: دین (1)۔ ابن وہب نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ''مجھے یہی بات خوش کرتی ہے کہ میں قرآن حکیم کو نماز اور مساجد میں پڑھوں نہ کہ راستہ میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ امام مالک نے فرمایا: یہاں ثیاب سے مراد دین ہے۔ حضرت عبداللہ بن نافع نے ابو بکر بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن خطاب سے وہ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ سے مراد ہے کہ دھوکہ کو نہ اپناؤ؛ اس معنی میں ابو کبشہ کا قول ہے:

ثِيَابُ بَنِي عَوفٍ طَهَارَى نَقِيَّةٌ أَوْجُهُهُمْ بِيضُ الْمَسَافِرِ غُرَّانُ

یہاں طہارۃ ثیابھم سے مراد ان کا کمینی عادات سے سلامت رہنا ہے اور غرۃ وجوھھم سے مراد محرمات سے ان کی پاکی ہے یا شکل و صورت میں ان کا جمال ہے یا دونوں صورتوں میں ان کا جمال ہے؛ یہ علامہ ابن عربی کا قول ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے کہا: تو اپنا لباس جھوٹ، ظلم، دھوکہ اور گناہ پر نہ پہن۔ عکرمہ نے کہا: اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

أَوْ ذَمَّ حَجَابِي ثِيَابَ دُنْسٍ۔ یعنی اس نے نافرمانیوں کے ساتھ اسے آلودہ کر دیا۔

نابغہ نے کہا:

رِقَاقُ النِّعَالِ طَيِّبٌ حُجُزَاتُهُمْ يُحَيَّوْنَ بِالرَّيْحَانِ يَوْمَ السَّبَاسِبِ

وہ بادشاہ ہیں پاک دامن ہیں، شعانین کے دن انہیں ریحان کے ساتھ سلام کیا جاتا ہے۔

جو آٹھویں قول کی طرف گیا ہے تو اس نے کہا: یہاں ثیاب سے مراد ملبوسات ہیں، ان کے نزدیک اس معنی کی چار وجوہ ہیں (۱) اس کا معنی ہے اپنے کپڑوں کو پاک رکھو؛ اسی معنی میں امرء القیس کا شعر ہے:

1۔ صحیح بخاری، باب مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

ثیاب بنی عوف طَہاریٰ نَقِیۃٌ

(۲) اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر رکھ، کیونکہ کپڑوں کو سمیٹ کر رکھنا نجاست سے دوری کا باعث ہوتا ہے جب کپڑے زمین پر گھسیں تو وہ نجاست لگنے سے محفوظ نہیں ہوتے؛ زجاج اور طاؤس نے یہی بات کہی ہے۔

(۳) اپنے کپڑوں کو پانی کے ساتھ پاک کرلو؛ یہ محمد بن سیرین، ابن زید اور فقہاء کا نقطہ نظر ہے۔

(۴) حلال کمائی سے ہی کپڑے پہنو تا کہ وہ حرام سے پاکیزہ ہوں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے: جو تو لباس پہنتا ہے وہ حرام کمائی کا نہ ہو۔ علامہ ابن عربی نے جو کچھ کہا اور بعض علماء نے جو کچھ کہا جس کا ہم نے ذکر کیا یہ ممتنع نہیں کہ آیت کو عموم مراد پر محمول کیا جائے وہ حقیقت ہو یا مجاز ہو۔ جب ہم اسے پاکیزہ، معروف کپڑوں پر محمول کریں گے تو یہ دونوں معنوں کو شامل ہو گا۔ (۱) دامنوں کو سمیٹنا کیونکہ جب انہیں ڈھیلا چھوڑا جائے تو وہ آلودہ ہو جاتے ہیں؛ اس وجہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انصار کے ایک نوجوان کو فرمایا جب انہوں نے اس کا دامن ڈھیلا دیکھا: اپنا تہبند اونچا کرلو کیونکہ یہ زیادہ تقویٰ، زیادہ پاکیزگی اور زیادہ عرصہ باقی رہنے کا باعث ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومن کا تہبند اس کی نصف پنڈلی تک ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر وہ پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو ٹخنوں سے بھی نیچے ہو وہ آگ میں ہے''(1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہبند کی انتہا ٹخنہ معین کی ہے اور جو اس سے بھی نیچے ہو اس پر دھمکی دی ہے ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے دامنوں کو نیچے چھوڑے رکھتے ہیں، اپنے کپڑوں کو لمبا کرتے ہیں پھر اپنے ہاتھوں سے انہیں اوپر اٹھاتے ہیں یہ تکبر کی حالت ہے اور عجب (اپنے عمل پر خوشی کا اظہار کرنا) کا طریقہ ہے (اس معاملہ میں سب سے شدید معاملہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں، کپڑوں کو ناپاک کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ جا ملاتے ہیں) جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے غیر کو نہیں ملایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو لاحق کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے کپڑے کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا''(2)۔ صحیح کے الفاظ یہ ہیں: ''جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے تہبند کا ایک پہلو ڈھیلا رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ میں اس کا خیال رکھوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی کو عام رکھا اور حضرت صدیق اکبر کو مستثنیٰ قرار دیا تو کمینے لوگوں نے اپنے آپ کو بلند مرتبہ لوگوں کے ساتھ ملانے کا قصد کیا۔ یہ ان کے لیے جائز نہیں۔

(۲) نجاست لگی ہو تو کپڑوں کو دھونا۔ یہ اس کا ظاہر مفہوم ہے اور صحیح ہے۔ مہدوی نے کہا: بعض علماء نے اس آیت کریمہ سے کپڑے کے پاک ہونے کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ ابن سیرین اور ابن زید نے کہا: تو صرف پاک کپڑے میں نماز

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب موضع الازار این ھو، حدیث نمبر 3562، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی قدر موضع الازار، حدیث نمبر 3570، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پڑھ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے کپڑے کے پاک ہونے کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ امام مالک اور اہل مدینہ کے نزدیک فرض نہیں۔ بدن کی طہارت بھی اسی طرح ہے اس چیز پر یہ اجماع دلالت کرتا ہے جب کوئی آدمی قضائے حاجت کرے تو پتھروں کے ساتھ استنجاء کی صورت میں نماز پڑھنا جائز ہے جب کہ اس نے پانی کے ساتھ استنجا نہ کیا ہو۔ سورۂ برأت میں یہ بحث مکمل گزر چکی ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

''اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہیے''۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: یہاں رُجْز سے مراد بت ہیں اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج:30)؛ حضرت ابن عباس اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی منقول ہے: گناہوں کو چھوڑ دیجئے۔ مغیرہ نے ابراہیم نخعی سے اس طرح روایت کیا ہے کہ رجز سے مراد گناہ ہے۔ قتادہ نے کہا: رجز سے مراد اساف اور نائلہ دو بت ہیں جو بیت اللہ کے قریب نصب تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عذاب ہے جب کہ مضاف مقدر ہے۔ معنی ہوگا عذاب کے عمل کو چھوڑ دے یا مراد ہے ایسے عمل کو چھوڑ دے جو عذاب کی طرف لے جانے والا ہے۔ رجز کا اصل معنی عذاب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَىِٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ (الاعراف:134) اگر تو ہم سے عذاب کو دور کر دے تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (الاعراف:162) اور ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا۔ بتوں کو رجز کا نام دیا گیا کیونکہ بت عذاب کی طرف لے جاتے ہیں۔ عام قراء رجز کو راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن، عکرمہ، مجاہد، ابن محیصن اور حفص نے عاصم سے رجز کو راء کے ضمہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے ذِکر اور ذُکر ہے۔ ابو العالیہ، ربیع اور کسائی نے کہا: رُجز کا معنی بت ہے اور رِجز کا معنی نجاست اور معصیت ہے۔ کسائی نے بھی کہا: رُجز کا معنی بت ہے اور رِجز کا معنی عذاب ہے۔ سدی نے کہا: رجز جب راء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی وعید ہے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝

''اور کسی پر احسان نہ کیجئے زیادہ لینے کی نیت سے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

استکثار کے وصف کے ساتھ احسان نہ کرنے کی صورتیں

مسئلہ نمبر 1۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ میں گیارہ تاویلیں ہیں۔

(۱) جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی ذمہ داریاں اٹھاتے ہیں ان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ پر احسان نہ جتلایئے جس طرح وہ آدمی جو غیر کی وجہ سے کوئی چیز اٹھاتا ہے تو اسے کثیر خیال کرتا ہے۔

(۲) غیر کو عطیہ نہ دو کہ اس کے عوض میں زیادہ کے طالب ہو؛ یہ حضرت ابن عباس عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آداب میں سب سے شرف والے اور اخلاق میں سب سے جلیل کا حکم دیا گیا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے اسے مباح قرار دیا؛ یہ مجاہد کا نقطہ نظر ہے۔

(۳) یہ بھی مجاہد سے مروی ہے: زیادہ بھلائی کرنے سے کمزور نہ ہو جائے جس طرح تیرا قول ہے: حبل منین یہ ترکیب اس وقت بولتے ہیں جب وہ رسی کمزور ہو اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت ہے: ولا تمنن تستکثرہ من الخیر۔

(۴) مجاہد اور ربیع سے مروی ہے: اپنے عمل کو اپنی آنکھ میں عظیم نہ جانو کہ تو مزید بھلائی کرے کیونکہ یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھ پر انعام کیا ہے۔ ابن کیسان نے کہا: تو اپنے عمل کو زیادہ خیال نہ کر کہ تو اسے اپنی طرف سے دیکھے بے شک تیرا عمل تجھ پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے اپنی عبادت کی راہ بنا دی ہے۔

(۵) حضرت حسن بصری نے کہا: اپنے عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر احسان نہ کرو کہ تو اسے زیادہ خیال کرے۔

(۶) نبوت اور قرآن کے ساتھ لوگوں پر احسان نہ جتلاؤ کہ تو ان سے اجر لے جس کے ذریعے تو زیادہ کا خواہش مند ہو۔

(۷) قرظی نے کہا: تو اپنا مال مصانعۃً پر نہ دے۔

(۸) زید بن اسلم نے کہا: جب تو کسی کو عطیہ دے تو وہ اپنے رب کی رضا کے لیے دے۔

(۹) تو یہ نہ کہہ: میں نے دعوت دی تو میری دعوت قبول نہ کی گئی۔

(۱۰) ایسا نہ ہونا چاہیے کہ تو طاعت کا عمل کرے اور ثواب کا طالب ہو بلکہ صبر کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر بدلہ دے۔

(۱۱) تو بھلائی کا کام نہ کر کہ تو اس کے ذریعے لوگوں میں ریاکاری کرے۔

ان مختلف اقوال میں سے صحیح ترین قول اور اس کی وجہ

مسئلہ نمبر 2۔ اگر یہ اقوال مراد ہیں تو ان میں سے نمایاں ترین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تو مال نہ دے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں سے زیادہ مال لے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مننت فلانا کذا یعنی میں نے اسے عطا کیا۔ عطیہ کو منہ کہتے ہیں، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطیات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہونے چاہئیں نہ کہ مخلوقات کی طرف سے بدلے کا انتظار ہونا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا جمع نہیں کرتے تھے اسی وجہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں جو کچھ عطا فرماتا ہے اس میں سے میرے لیے خمس کے سوا کچھ بھی نہیں اور خمس (پانچواں حصہ) بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عیال کے نفقہ سے جو مال بچ جاتا اسے مسلمانوں کے مصالح پر صرف کر دیا جاتا اسی وجہ سے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال کا وارث نہ ہوا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حق میں ذخیرہ اور مال جمع کرنے کا حق نہ رکھتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی اشیاء کی رغبت سے محفوظ رکھا تھا: اسی وجہ سے صدقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام تھا اور ہدیہ مباح تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کو قبول فرماتے تھے اور اس پر بدلہ عطا فرماتے تھے۔ ”اگر مجھے پائے کھانے کی دعوت دی گئی تو میں اسے قبول کروں گا اگر مجھے بازو تحفہ کے طور پر دیا گیا تو میں اسے قبول کروں گا“۔

علامہ ابن عربی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کو سنت کے طریقہ پر قبول کرتے تھے اور شرعی حکم کے طور پر زیادہ کی

خواہش نہیں رکھتے تھے، جب وہ زیادہ کی خواہش میں عطیہ نہیں دیتے تھے تو اغنیاء اس سے اجتناب کرنے کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ یہ ذلت اور رسوائی کے باب میں سے ہے؛ اس طرح اس آدمی کا قول ہے جو یہ کہتا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ عطیہ نہ دیں جس کے ثواب کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منتظر ہوں کیونکہ انتظار طمع کے ساتھ متعلق ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ممتنع ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ (طٰہٰ) اور مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو یہ محض زیب وزینت ہے دنیوی زندگی کی اور (انہیں اس لیے دی ہیں) تاکہ ہم آزمائیں انہیں ان سے اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ یہ باقی مخلوق کے لیے جائز ہے کیونکہ وہ دنیا کے سامان، روزی کی کمائی اور اس کے ذریعے باہم فخر کرنے میں سے ہے۔ رہا وہ شخص جس نے اس کے ساتھ عمل کا ارادہ کیا یعنی اپنے عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر احسان نہ جتلاؤ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ کی خواہش رکھیں تو وہ صحیح ہے کیونکہ انسان اگر زندگی بھر بغیر کسی کوتاہی کے عمل کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر تھوڑے سے شکر کے درجے میں بھی نہیں پہنچے گا۔

تَمْنُنْ کی قراءت اور معنی

مسئلہ نمبر3۔ وَ لَا تَمْنُنْ۔ عام قراءت دونوں نونوں کے اظہار کے ساتھ ہے؛ ابو سمال عدوی، اشہب عقیلی اور حضرت حسن بصری نے یہ قراءت کی وَ لَا تَمُنَّ ان میں ادغام کیا اور اسے مفتوح پڑھا۔ تستکثر عام قراءت تو رفع کے ساتھ ہے یہ حال کے معنی میں ہے۔ تو کہتا ہے: جاء زید یرکض یعنی زید دوڑتا ہوا آیا۔ یعنی کسی کو کوئی چیز عطا نہ کیجئے یہ اندازہ لگاتے ہوئے کہ تو اس کے بدلے میں زیادہ چیز لے گا۔ حضرت حسن بصری نے نہی کے جواب میں مجزوم پڑھا ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ یہ جواب نہیں۔ یہ جائز ہے کہ یہ تمنن سے بدل ہو گویا ارشاد فرمایا: لا تستکثر۔ ابو حاتم نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا: کیونکہ احسان کثرت طلب کرنے کے ساتھ نہیں ہوتا کہ اس سے بدل بنایا جائے، یہ احتمال موجود ہے کہ اس کو ساکن تخفیف کی وجہ سے پڑھا جائے جس طرح عضد پڑھتے ہیں یا وقف کی حالت کا اعتبار کیا جائے۔ اعمش اور یحییٰ نے تَسْتَكْثِرَ نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان کے نزدیک لام کی کے معنی میں ہے گویا فرمایا: لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرَ۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہاں ان مضمر ہے۔ جیسے اَلَا اَیُّهٰذَا الزَّاجِرِی اَحْضُرُ الْوَغٰی۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت اس امر کی تائید کرتی ہے وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿﴾ کسائی نے کہا: جب ان کو حذف کیا گیا تو فعل مضارع کو رفع دیا گیا۔ معنی ایک ہی ہے۔ کبھی من سے مراد یہ ہوتا ہے کہ جس پر نعمتیں کی گئیں ان پر نعمتوں کا شمار کرنا یہ بھی دوسرے قول کی طرف لوٹتا ہے اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے: لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى (بقرہ: 264) اپنے صدقات احسان جتلانے اور اذیت دینے کے ساتھ باطل نہ کرو۔

وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿﴾

''اور اپنے رب (کی رضا) کے لیے صبر کیجئے''۔

اپنے آقا اور اپنے مالک کے لیے اس کے فرائض اور اس کی عبادت پر صبر کیجئے۔ مجاہد نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اذیت دی

گئی اس پر صبر کیجئے۔ ابن زید نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عظیم امر ڈالا گیا یعنی عربوں اور عجمیوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صبر کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر قضا پر صبر کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آزمائش پر صبر کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور منتخب افراد کا امتحان لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اپنے اہل اور وطن کے فراق پر صبر کیجئے۔

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۙ فَذٰلِكَ يَوْمَىِٕذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ○

"پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن بڑا سخت ہوگا کفار پر آسان نہ ہوگا"۔

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ○ جب صور پھونکا جائے گا۔ ناقور، نقر سے فاعول کا وزن ہے گویا یہ ایسی چیز ہے جس کی شان یہ ہے کہ آواز پیدا کرنے کے لیے جسے کھٹکھٹایا جائے بلکہ عرب میں نقر کا معنی آواز ہے؛ اس معنی میں امرؤ القیس کا شعر ہے:

أُخَفِّضُه بالنَّقْرِ لَمَّا عَلَوْتُهُ وَيَرْفَعُ طَرْفًا غَيْرَ خَابٍ غَضِيضِ

عرب کہتے ہیں: نقر باسم الرجل یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اسے بلائے جب کہ اپنی دعوت کو اس کے لیے خاص کرے۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ بگل جیسی کوئی چیز ہے اس سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: اس سے پہلا نفخہ مراد ہے کیونکہ یہ پہلی ہولناک سختی ہوگی اس کے بارے میں مفصل گفتگو سورۃ النمل، سورۃ الانعام اور کتاب التذکرہ میں گزر چکی ہے الحمد للہ۔

ابو حبان سے مروی ہے: حضرت زرارہ بن اوفی نے ہمیں امامت کرائی جب وہ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ○ تک پہنچے تو گر پڑے اور فوت ہو گئے۔

فَذٰلِكَ يَوْمَىِٕذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ○ وہ دن بڑا سخت ہے۔ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ یہاں الْكٰفِرِيْنَ سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کا انکار کرنے والے ہیں۔

غَيْرُ يَسِيْرٍ ○ وہ آسان نہیں ہوگا؛ یعنی ان کی گرہیں نہیں کھلیں گی مگر اگلی گرہ پہلے سے بھی شدید ہوگی۔ عقیدہ توحید پر ایمان رکھنے میں گناہگاروں کا معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ ان کی شدت کی گرہ کھلے گی تو اگلا مرحلہ آسان ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ يَوْمَىِٕذٍ اس تقدیر کلام میں فذلك یوم عسیر یومئذ کی صورت میں منصوب ہے یعنی عَسِيْرٌ نے اسے نصب دی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حرف جر کے مقدر ماننے کے ساتھ اسے جر دی گئی ہے اس کی تقدیر یہ ہوگی فذلك فی یومئذ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو مگر یہ کیونکہ غیر منصرف کی طرف مضاف ہے اس لیے مبنی بر فتحہ ہے۔

ذَرْنِيْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۙ وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ وَّ بَنِيْنَ شُهُوْدًا ۙ وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۙ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۙ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ؕ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ؕ

"آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس

رہنے والے ہیں اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے"۔

ذَرْنِیْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ذرنی یعنی مجھے چھوڑ دو، یہ وعید اور دھمکی کا کلمہ ہے یعنی مجھے اور جسے میں نے تنہا پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دے۔ وَحِیْدًا اس صورت میں ضمیر محذوف سے حال ہے جو ضمیر مفعول بہ ہے یعنی میں نے اسے پیدا کیا تو وہ تنہا تھا اس کے پاس کوئی مال نہ تھا اور نہ ہی اس کی اولاد تھی۔ اس کے بعد میں نے اسے عطا کیا جو عطا کیا۔ مفسرین کا خیال ہے اس کا مصداق ولید بن مغیرہ ہے اگرچہ تمام لوگ اس کی مثل پیدا کیے گئے اس کا خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا گیا کیونکہ وہ نعمت کی ناشکری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے میں خصوصیت رکھتا تھا وہ اپنی قوم میں وحید کے لقب سے جانا جاتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ولید کہا کرتا تھا میں وحید بن وحید ہوں، عربوں میں میری مثل نہیں نہ ہی میرے باپ مغیرہ کی کوئی مثل ہے اسے وحید کا نام دیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذَرْنِیْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا اسے وحید اس کے گمان کے اعتبار سے کہا گیا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کی کہ وہ وحید ہے۔

ایک قوم کی یہ رائے ہے: وَحِیْدًا کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہے اس کے پھر دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) اس کے ساتھ معاملہ کرنے کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دے میں اس سے انتقام لینے میں کسی بھی منتقم کی جانب سے تجھے بہتر بدلہ دوں گا (۲) میں نے اسے تنہا پیدا کیا ہے اس کی تخلیق میں میرے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوا، میں اسے ہلاک کروں گا اور اس کے ہلاک کرنے میں کسی مددگار کا محتاج نہیں اس صورت میں وَحِیْدًا ضمیر فاعل سے حال ہوگا وہ خَلَقْتُ میں تاء ہے۔ پہلا قول مجاہد کا ہے: میں نے اسے اس کی ماں کے پیٹ میں تنہا پیدا کیا اس کے پاس کوئی مال اور اولاد نہ تھی میں نے اس پر انعام کیا تو اس نے کفر کیا۔ اس صورت میں وَحِیْدًا ولید کی طرف لوٹے گا۔ یعنی اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا میں نے اسے ہر چیز کا مالک بنایا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس امر پر دلالت کرے وہ اسے تنہا اٹھائے گا جس طرح اسے تنہا پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وحید سے مراد وہ شخص ہے جس کا باپ معلوم نہ ہو۔ ولید کے بارے معروف یہ تھا کہ وہ بداصل تھا جس طرح ہم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ (القلم) وہ ترش رو ہے اس سے بڑھ کر وہ بداصل ہے۔ یہ بھی ولید کی صفت میں ہے۔

وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا میں نے اسے لمبا چوڑا مال عطا کیا۔ یہ ولید کا مکہ مکرمہ اور طائف میں مال تھا جس میں اونٹ، گھوڑیاں، جانور، باغات، غلام اور لونڈیاں تھیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی کہا کرتے تھے۔ مجاہد نے کہا: اس کا نفع ایک ہزار دینار تھا؛ یہ سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: چھ ہزار دینار۔ سفیان ثوری اور قتادہ نے کہا: چار ہزار دینار۔ ثوری نے کہا: دس لاکھ دینار۔ مقاتل نے کہا: اس کا ایک باغ تھا جس کا پھل موسم سرما اور موسم گرما میں ختم نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد ہے مہینہ بمہینہ نفع۔ نعمان بن سالم نے کہا: اس سے مراد ہے ایسی زمین جس میں فصل کاشت کی جاتی۔ قشیری نے کہا: زیادہ ظاہر یہ ہے اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا رزق ختم نہ

ہوگا بلکہ وہ پے در پے جاری رہے گا جس طرح کھیتی، جانور اور تجارت۔

وَّ بَنِيْنَ شُهُوْدًا یعنی ایسے بیٹے جو اس کے پاس حاضر رہتے کسی کام کی وجہ سے غائب نہ ہوتے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: وہ دس تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ بارہ تھے؛ یہ سدی اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ ضحاک نے کہا: سات مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور پانچ طائف میں پیدا ہوئے۔ سعید بن جبیر نے کہا: وہ تیرہ تھے۔ مقاتل نے کہا: وہ سات تھے سب کے سب بہادر تھے ان میں سے تین مسلمان ہوئے خالد، ہشام اور ولید بن ولید۔ کہا: ولید اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لگاتار مال اور اولاد کے بارے میں نقصان میں رہا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوگیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: یہاں **شُهُوْدًا** سے مراد ہے جب اس کا ذکر کیا جاتا تو ان کا بھی ساتھ ہی ذکر کیا جاتا؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں **شُهُوْدًا** سے مراد یہ ہے کہ جن مجالس میں وہ حاضر ہوتا یہ بھی اس کی طرح حاضر ہوتے اور جو کام وہ کرتے یہ بھی وہ کرتے۔ پہلا قول سدی کا ہے وہ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے تجارت کے لیے وہ اس کے پاس سے دور نہ جاتے اور نہ ہی غائب ہوتے۔

وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا میں نے اسے زندگی میں فراخی عطا کی یہاں تک کہ وہ اپنے شہر میں ہی مطمئن، خوشحال قیام کرتا ہے، اس کی رائے سے فائدہ اٹھایا جاتا۔ عربوں کے ہاں تمہید کا معنی ہے تیار کرنا، بچھانا۔ اسی سے بچے کا پنگھوڑہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں نے اسے یمن اور شام میں وسعت عطا کی ہے؛ یہی مجاہد کا قول بھی ہے۔ مجاہد سے یہ بھی قول مروی ہے کہ اس کا مال اوپر نیچے پڑا ہے جس طرح بستر کو نیچے بچھایا جاتا ہے۔

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ یعنی ولید اس کے بعد بھی طمع کرتا ہے کہ میں اس سے زیادہ اسے مال اور اولاد عطا کروں۔ **كَلَّا** وہ نعمتوں کا جو انکار کرتا رہا ہے اس کے ساتھ یہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: پھر وہ طمع کرتا ہے کہ میں اسے جنت میں داخل کروں۔ ولید کہا کرتا تھا: اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں تو جنت تو پھر صرف میرے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرنے اور اس کو جھٹلانے کے لیے **كَلَّا** کا ذکر کیا یعنی میں اس کے مال میں اضافہ نہیں کروں گا۔ وہ لگاتار مال اور اولاد میں نقصان دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوگیا۔

ثُمَّ يَطْمَعُ میں **ثُمَّ** عاطفہ نہیں بلکہ تعجب کا اظہار کرنے کے لیے ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ** (الانعام) اس نے تاریکیاں اور نور بنایا پھر بھی کافر اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ اس طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: میں نے تجھے عطا کیا پھر بھی تو مجھ پر ظلم کرتا ہے۔ یہ بات وہ کرتا ہے جو تعجب کا اظہار کرتا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طمع کرتا تھا کہ میں اس کے وارثوں میں بھی یہ مال اسی طرح چھوڑے رکھوں۔ کیونکہ وہ کہا کرتا تھا: بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل نہیں، ان کی موت کے ساتھ ہی ان کا ذکر ختم ہوجائے گا۔ وہ گمان رکھتا تھا کہ اسے جو رزق دیا گیا ہے وہ اس کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اس کے کفر پر

اس کی مدد کروں گا۔ کَلَّا ہر اس کی امید کو ختم کرنے کے لیے ہے جو وہ زیادہ مال کی طمع کرتا تھا۔ یہ پہلی کلام کے ساتھ متصل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کَلَّا یہ حق کے معنی میں ہے یہاں سے کلام کی ابتداء ہو گی۔

اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا۝ یعنی ولید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جو وہ پیغام حق لائے ہیں اس سے عناد رکھتا تھا۔ جس طرح یہ کہا جاتا تھا: عاند، عنید جیسے جالس، جلیس؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ عَنَدَ یَعْنِدُ کسرہ کے ساتھ ہو اس کا معنی حق کی مخالفت کرنا ہے اور اس کا رد کرنا ہے جب کہ وہ حق کو پہچانتا ہو اس سے اسم فاعل عنید اور عاند استعمال ہوتا ہے۔ عاند اس اونٹ کو بھی کہتے ہیں جو راستہ سے بھٹک جائے اس کی جمع عُنَّد آتی ہے جس طرح راکع کی جمع رُکَّع آتی ہے؛ ابوعبیدہ نے حارثی کا شعر ذکر کیا:

إذا رَكِبْتُ فاجْعَلَانِي وَسَطَا إنِّي كَبِيرٌ لاأطيقُ الْعُنَّدَ

جب میں کوچ کرتا ہوں تو وہ دونوں مجھے درمیان میں رکھ لیتے ہیں میں بوڑھا ہو چکا ہوں میں راستہ نہیں بھٹکتا۔

ابو صالح نے کہا: عنید کا معنی مباعد ہے: شاعر نے کہا:

أرَانا على حالٍ تُفَرِّقُ بَيْنَنَا نَوًى غَرْبَةٌ إنَّ الفِرَاقَ عَنُود

اس نے ہمیں ایسی حالت میں دکھایا جب کہ دوری ہمارے درمیان جدائی ڈال رہی تھی بے شک فراق بہت دوری کا ہے۔

قتادہ نے کہا: اس کا معنی انکار کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے اعراض کرنے والا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: بہت زیادہ انکار کرنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اپنی دشمنی کو ظاہر کرنے والا ہے۔ مجاہد نے بھی یہی کہا ہے: اس کا معنی ہے حق سے پہلو تہی کرنے والا، اس سے دشمنی رکھنے والا اور اس سے اعراض کرنے والا۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔ عرب کہتے ہیں: عند الرجل۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ حد سے تجاوز کر جائے۔ اونٹوں میں سے عنود اسے کہتے ہیں جو اونٹوں کے ساتھ ملتا جلتا نہ ہو بلکہ وہ ایک طرف میں رہتا ہے۔ رجل عنود اسے کہتے ہیں جب وہ تنہا پڑاؤ ڈالتا ہو اور لوگوں کے ساتھ میل جول نہ رکھتا ہو۔ عنید یہ تجبر (اپنے آپ کو سرکش سمجھنا) کا پیکر ہے۔ عرق عاند اس رگ کو کہتے ہیں جس کا خون نہ رکے۔ یہ سب ایک ہی قیاس ہے۔ سورۂ ابراہیم میں اس کی بحث گزر چکی ہے۔ عنید کی جمع عُنُد ہے جس طرح رغیف کی جمع رُغُف آتی ہے۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۝ میں اسے صَعُوْدًا پر چڑھنے کا مکلف بناؤں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: میں اسے مجبور کروں گا۔ کلام عرب میں ارھاق سے مراد یہ ہے کہ انسان کو کسی شی پر مجبور کیا جائے۔ صَعُوْدًا جہنم میں ایک پہاڑ ہے جہنمی ستر سال تک اس پر چڑھتا رہے گا پھر اتنا عرصہ نیچے گرتا رہے گا، یہ ہمیشہ اسی طرح ہو گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں۔ امام ترمذی نے اسے نقل کیا ہے اس بارے میں انہوں نے کہا: یہ حدیث غریب ہے (1)۔ عطیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ صعود جہنم میں ایک چٹان ہے جب جہنمی اس پر اپنا ہاتھ رکھیں گے تو ان کے ہاتھ پگھل جائیں گے اور جب اسے اٹھائیں گے تو وہ ہاتھ ٹھیک ہو

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة جهنم، باب ماجاء فی صفة قعر جهنم، حدیث نمبر 2499، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جائیں گے۔ کہا: جہنمی اس کی بلندی تک چالیس سال تک پہنچے گا اسے سامنے سے زنجیروں سے کھینچا جا رہا ہوگا اور پیچھے سے انہیں گرز مارے جا رہے ہوں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کی بلندی تک پہنچے گا تو اسے اس کی پستی کی طرف پھینک دیا جائے گا ہمیشہ اس کے ساتھ یہی سلوک جاری رہے گا۔ یہی بحث سورۂ قُلْ اُوْحِیَ میں گزر چکی ہے۔ تفسیر میں ہے: یہ ایک ملائم چٹان ہے جس پر چڑھنے کا اسے حکم دیا جائے گا جب وہ اس کی بلندی تک پہنچے گا تو اسے جہنم میں گرادیا جائے گا تو جہنم کی گہرائی تک پہنچنے تک ہزار سال تک گرتا ہی رہے گا۔ ہر ستر دنوں میں اسے ایک بار جلایا جائے گا پھر اسے نئے سرے سے پیدا کر دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں اسے عذاب کی مشقت میں ڈالوں گا جس میں اس کے لیے کوئی راحت نہ ہوگی؛ اس کی مثل حضرت حسن بصری اور قتادہ سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کی روح نکلنے کے لیے بلند ہوگی اگرچہ اسے موت واقع نہ ہوگی اسے جسم کے اندر سے اسی طرح عذاب دیا جائے گا جس طرح اسے خارج سے عذاب دیا جائے گا۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝

"اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی، اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی، اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی، پھر دیکھا پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا، پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا اور بولا: یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے یہ نہیں مگر انسان کا کلام"۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ۝ ولید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے متعلق غور و فکر کیا اور اپنے دل میں کلام کو سوچا۔ عرب کہتے ہیں: قدرت الشئی جب تو اسے تیار کرے یہ اس وجہ سے ہوا جب حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ (المومن) تک نازل ہوئی۔ ولید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیات پڑھتے ہوئے سنا اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے ان سے ایسی کلام سنی ہے جو نہ انسانوں کی کلام ہے اور نہ ہی جنوں کی کلام ہے، اس میں مٹھاس ہے، اس کا ظاہر حسین ہے، اس کا اوپر والا حصہ پھل دار ہے، اس کا نیچے والا حصہ گہرا ہے، وہ خود بلند ہے، اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا، کوئی انسان ایسی کلام نہیں کر سکتا۔ قریش نے کہا: ولید بے دین ہو گیا تمام قریش اپنا دین چھوڑ جائیں گے۔ ولید کو ریحانہ قریش کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ابوجہل نے کہا: میں تمہاری جانب سے اسے کافی ہوں۔ وہ اس کے پاس غمگین بن کر گیا۔ ولید نے اس سے کہا: کیا وجہ ہے میں تجھے غمگین دیکھتا ہوں؟ ابوجہل نے ولید سے کہا: میں کیوں غمگین نہ ہوں؟ یہ قریش تیرے لیے روزینہ جمع کر رہے ہیں وہ تیرے بڑھاپے میں تیری مدد کرنا چاہتے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کو زینت والا قرار دیا ہے اور تو ابن ابی کبشہ اور ابن ابی قحافہ کے پاس جاتا ہے تا کہ تو ان کے بچے ہوئے کھانے کو کھائے۔ ولید غضب ناک ہو گیا اور تکبر کا اظہار کیا اور کہا: میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی کے ٹکڑوں کا محتاج ہوں جب کہ تم تو میرے مال کی قدر و منزلت کو جانتے ہو۔ لات و عزیٰ کی

قسم! مجھے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں تم گمان کرتے ہو کہ محمد مجنون ہیں کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ ان کا گلا کبھی بند ہو؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم! اس نے کہا تم گمان کرتے ہو کہ وہ شاعر ہے؟ کیا تم نے کبھی اسے دیکھا ہے کہ کبھی اس نے شعر کہا ہو؟ لوگوں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! اس نے کہا تم یہ گمان کرتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے کیا تمہیں اس کے جھوٹ بولنے کا کبھی تجربہ ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! اس نے کہا: تم گمان کرتے ہو کہ وہ کاہن ہے کیا تم نے اسے کہانت کرتے ہوئے دیکھا ہے ہم نے تو کاہنوں کو سجع والی گفتگو کرتے ہوئے اور باتوں کو خلط ملط کرتے ہوئے دیکھا ہے کیا تم نے انہیں بھی کبھی ایسے کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق امین کے لقب سے یاد کیا جاتا کیونکہ وہ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ قریش نے ولید سے کہا: بتاؤ وہ کیا ہے؟ اس نے دل میں سوچا پھر غور و فکر کیا پھر چیں بجبیں ہوا اور کہا: وہ صرف جادوگر ہے (نعوذ باللہ) کیا تم نے اسے نہیں دیکھا کہ وہ میاں بیوی، اس کے بچوں اور اس کے غلاموں میں جدائی ڈال دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا بھی یہی معنی ہے اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں سوچا، اس نے دل میں اندازہ لگایا جو وہ زیادہ سے زیادہ ان دونوں کے متعلق کہہ سکتا تھا۔ **فَقُتِلَ** اس پر لعنت ہو۔ بعض علماء اس کی تاویل میں کہتے ہیں: اس کا معنی ہے وہ مقہور مغلوب ہو کیونکہ ہر وہ شخص جسے مغلوب و مسخر کر لیا جائے وہ قتل کیا گیا ہی ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

وَمَا ذَرَفَتْ عَيْنَاكِ إِلَّا لِتَقْدَحِي بِسَهْمَيْكِ فِي أَعْشَارِ قَلْبٍ مُقَتَّلِ

تیری آنکھیں نہیں بہیں مگر اس لیے کہ تو اپنے دو تیروں سے مغلوب کے دل میں زخم لگا دے۔

زہری نے اس کا معنی کیا ہے: اسے عذاب دیا جائے گا تو یہ بددعا ہوگی۔

كَيْفَ قَدَّرَ ۝ لوگوں نے کہا: **كَيْفَ** تعجب کے اظہار کے لیے ہے جس طرح ایسے آدمی کو کہا جاتا ہے جس کے عمل پر تعجب کا اظہار کیا جائے: کیف فعلت ھذا تو نے یہ کام کیسے کر لیا؛ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: **اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ** (فرقان: 9)

دیکھ تو اس نے تیرے بارے میں کیسی مثالیں ذکر کی ہیں **ثُمَّ قُتِلَ** اس پر لعنت کے بعد لعنت ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایک سزا سے قتل ہو پھر دوسرے عذاب سے قتل ہو۔ **كَيْفَ قَدَّرَ** اس نے کس حال پر اندازہ لگایا۔ **ثُمَّ نَظَرَ** ۝ کس شے کے ساتھ وہ حق کو لوٹاتا ہے۔ **ثُمَّ عَبَسَ** اس نے مومنوں کے سامنے اپنی آنکھوں کے درمیان بل ڈالا اس کی وجہ یہ بنی جب ولید نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قریش کو جس قسم کی گفتگو پر ابھارا کہ وہ جادوگر ہے تو ولید مسلمانوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا انہوں نے ولید کو اسلام کی طرف دعوت دی تو وہ چیں بجبیں ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس پر ناراض ہوا اور چہرے پر درشتگی کے آثار لایا۔ **عَبَسَ** کو جب تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ عَبَسَ، يَعْبِسُ، عَبْسًا، عُبُوسًا کا مصدر ہوگا یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ ماتھے پر بل لائے۔ **عَبَسْ** اس پیشاب اور گوبر کو کہتے ہیں جو اونٹ کی دم کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ ابو النجم نے کہا:

كَأَنَّ فِي أَذْنَابِهِنَّ الشُّوَّلِ مِنْ عَبَسِ الصَّيْفِ قُرُونَ الْإِيَّلِ

گویا ان کی اٹھی ہوئی گردنوں میں موسم گرما کی سختی میں بارہ سنگا کے سینگ ہیں۔

وَبَسَرَ ۝ اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور اس کا رنگ بدل گیا؛ یہ قتادہ اور سدی کا قول ہے، اس معنی میں بشر بن ابی حازم کا قول ہے:

صَبَحْنَا تَمِيمًا غَدَاةَ الْجِفَارِ بِشَهْبَاءَ مَلْمُومَةٍ بَاسِرَةْ

ہم نے جفار کی صبح بنو تمیم پر حملہ کیا مسلح جماعتوں والے ترش رو لشکروں کے ساتھ۔

ایک اور شاعر نے کہا:

وَقَدْ رَابَنِي مِنْهَا صُدُودٌ رَأَيْتُهُ وَاِعْرَاضُهَا عَنْ حَاجَتِي وَبُسُورُهَا

مجھے شک میں ڈال دیا اس کے رکنے نے جو میں نے دیکھا، میری ضرورت کے اعراض نے اور اس کی ترش روئی نے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: چہرہ میں عبوس کا ظہور گفتگو کے بعد ہوتا ہے اور چہرے میں بسور کا ظہور گفتگو سے پہلے ہوتا ہے یعنی عبوس اور بسور چہرے پر درشتگی کے آثار ہیں۔ ایک قوم نے کہا: بسر وہ رک گیا نہ وہ آگے ہوتا ہے اور نہ پیچھے ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: اس طرح اہل یمن کہتے ہیں قد بسر المرکب۔ سواری رک گئی نہ آتی ہے نہ جاتی ہے۔ ابسر کا معنی بھی رکنا ہے۔ قد ابسر نا ہم رک گئے عرب کہتے ہیں: وجه باسر بین البسور۔ جب وہ متغیر ہو اور سیاہ ہو جائے۔ ثُمَّ اَدْبَرَ وہ مڑا اور اپنے گھر جانے کے لیے منہ پھیر لیا۔ وَاسْتَكْبَرَ ۝ ایمان لانے سے اس نے اپنے آپ کو بڑا جانا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایمان سے اس نے رخ پھیر لیا اور جب اسے ایمان کی طرف دعوت دی گئی تو اس نے تکبر کیا۔ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ یعنی جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں یہ نہیں ہے مگر ایسا جادو جو کسی دوسرے سے بیان کرتے ہیں۔ سِحْرٌ کا معنی دھوکہ ہے۔ اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ایک قوم نے کہا: سِحْرٌ کا مطلب ہے حق کی صورت میں باطل کو ظاہر کرنا۔ اثرہ یہ تیرے اس قول کا مصدر ہے أثرت الحدیث أثرة۔ جب تو اس بات کو غیر سے بیان کرے۔ اس معنی میں حدیث ماثور ہے یعنی جسے بعد میں آنے والا پہلے آنے والوں سے بیان کرتا ہے؛ امراء القیس نے کہا:

لَقُلْتُ مِنَ الْقَوْلِ مَا لَا يَزَالُ يُؤْثَرُ عَنِّي يَدَ الْمُسْنَدِ

میں نے ایسی بات کہی جو مجھ سے ہمیشہ بیان کی جاتی رہے گی۔ اعشیٰ نے کہا:

اِنَّ الَّذِي فِيهِ تَمَارَيْتُمَا بُيِّنَ لِلسَّامِعِ وَالْاٰثِرِ

وہ چیز جس میں تم شک کا اظہار کر رہے ہو وہ سامع اور بعد میں آنے والوں کے لیے واضح ہے۔

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ یہ نہیں ہے مگر مخلوق کا کلام۔ دل اس سے دھوکہ کھا جاتے ہیں جس طرح جادو سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ سدی نے کہا: وہ یہ مراد لیتے کہ یہ یسار کا کلام ہے جو بنی حضرمی کا غلام تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتا لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام سے سیکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے اہل بابل سے اسے سیکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مسیلمہ سے اسے سیکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: عدی حضرمی کاہن سے اسے سیکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اس سے سیکھا ہے جس نے ان سے پہلے دعویٰ نبوت کیا، تو کلام انہیں کے انداز میں کی گئی۔ ابو سعید ضریر نے

کہا: یہ نہیں ہے مگر ایسا امر جو نسل در نسل چلا آرہا ہے۔

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾

''عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا۔ اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے، نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے، جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو''۔

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ میں اسے سقر میں داخل کروں گا تا کہ اس کی گرمی تاپے، اس کا نام سقر رکھا یہ سقرتہ الشمس سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب سورج اسے پگھلا دے، اس کو سیاہ کر دے اور اس کے چہرے کی جلد کو جلا دے یہ غیر منصرف ہے کیونکہ علمیت اور عجمہ کا سبب موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ جہنم کا چھٹا طبقہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا اے میرے رب! تیرے بندوں میں سے کون سب سے محتاج ہے؟ فرمایا: سقر کا مستحق''۔ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ یہ اس کے وصف میں مبالغہ کے لیے ہے تجھے کس چیز نے بتایا کہ وہ کیا چیز ہے؟ یہ کلمہ تعظیم ہے پھر اس کی تفسیر بیان کی ارشاد فرمایا: لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ وہ ان کی ہڈی، گوشت اور خون نہیں چھوڑے گا وہ سب کچھ جلا دے گی تا کید کے طور پر اسے مکرر ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑے گی پھر انہیں تازہ جسموں کے ساتھ لایا جائے گا وہ انہیں چھوڑے گی یعنی دوبارہ اسی طرح جلا دے گی یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ مجاہد نے کہا: ان میں جو زندہ ہوگا انہیں باقی نہ رکھے گی اور نہ اسے مردہ چھوڑے گی جب بھی انہیں نئے جسم عطا کیے جائیں گے آگ انہیں جلاتی رہے گی۔ سدی نے کہا: وہ ان کے گوشت کو باقی نہ رکھے گی اور ان کی ہڈی کو نہ چھوڑے گی۔

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ چمڑے کو بدل دے گی۔ یہ لاحہ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اسے تبدیل کرے۔ عام قراء کی قراءت لَوَّاحَةٌ رفع کے ساتھ ہے یہ سقر کی صفت ہے جو وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ میں ہے۔ عطیہ عوفی، نصر بن عاصم اور عیسیٰ بن عمر نے لواحۃً نصب کے ساتھ پڑھا ہے یہ اختصاص کے طریقہ پر منصوب ہے۔ مقصود ہولنا کی بیان کرنا ہے۔ ابو رزین نے کہا: ان کے چہروں پر ایک لپک پڑے گی جو ان کے چہروں کو رات سے بھی زیادہ سیاہ کر کے چھوڑے گی، یہ مجاہد کا قول ہے۔ عرب کہتے ہیں: لاحہ البرد والحر والسقم والحزن سردی، گرمی، بیماری اور غم نے اسے سیاہ کر دیا اور اس کے چہرے کو بدل دیا؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

تَقُولُ مَا لَاحَكَ يَا مُسَافِرُ يَا ابْنَةَ عَمِّي لَاحَنِي الْهَوَاجِرُ

وہ کہتی ہے: اے مسافر! کس چیز نے تیرے چہرے کی رنگت کو بدل دیا ہے اے چچا زاد بہن! دوپہر کی لپکوں نے میرے چہرے کو سیاہ کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوح کا معنی سخت پیاس ہے۔ کہا جاتا ہے: لاحہ العطش ولوحہ۔ پیاس نے اس کے چہرے کے رنگ کو بدل دیا۔ معنی یہ ہوگا وہ انسانوں یا جہنمیوں کے لیے پیاس ہوگی؛ یہ اخفش کا قول ہے؛ اس نے یہ شعر پڑھا:

سَقَتْنِي عَلَى لَوْحٍ مِنَ الْمَاءِ شَرْبَةً سقاها بها اللهُ الرِّهَامَ الْغَوَادِيَا

اس نے مجھے شدید پیاس میں پانی کا ایک گھونٹ پلایا اللہ تعالیٰ اسے ہلکی بارش سے سیراب کرے۔

حضرت ابن عباس نے کہا: لَوَّاحَةٌ یعنی وہ انسان کے لیے پانچ سو سال کی مسافت سے ظاہر ہو جائے گی۔

حضرت حسن بصری اور ابن کیسان نے کہا: جہنم ان کے لیے ظاہر ہو گی یہاں تک کہ وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغٰوِينَ ۝ (الشعراء) جہنم سرکشوں کے لیے ظاہر کر دی جائے گی۔

بشر کی دو توجیہیں ہیں۔ (۱) اس سے مراد جہنمی انسان ہیں؛ یہ اخفش اور اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ (۲) یہ بشرۃ کی جمع ہے۔ یہ انسان کی ظاہری جلد ہے، یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ بشرہ کی جمع ابشار ہے۔ پہلی تفسیر کی بنا پر درست ہو سکتا ہے جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کا تعلق ہے اس میں لوگ ہی درست ہو سکتے ہیں جلدیں درست نہیں ہو سکتے۔ یہ لاح الشیء یلوح سے مشتق ہے جس کا معنی چمکنا ہے۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝

''اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں اور ہم نے مقرر نہیں کیے آگ کے داروغے مگر فرشتے اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا تاکہ یقین کر لیں اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں اہل کتاب اور مومن اور تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار: کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے، یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے، اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت لوگوں کے لیے''۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ یعنی سقر پر انیس فرشتے ہیں جو جہنم میں جہنمیوں سے ملاقات کریں گے پھر کہا گیا: مجموعی جہنم پر انیس فرشتے ہیں وہی اس کے خازن ہیں ایک مالک اور باقی اٹھارہ۔ یہ احتمال ہے انیس نقیب ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے انیس فرشتے ہوں۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔ ثعلبی نے کہا: اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا جب ایک فرشتہ تمام مخلوق کی ارواح کو قبض کر سکتا ہے تو یہ زیادہ مناسب ہے کہ انیس فرشتے بعض مخلوق کے عذاب پر متعین ہوں۔ ابن جریج نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کے داروغوں کی صفت بیان کی فرمایا: ''گویا ان کی آنکھیں بجلیاں ہیں، ان کے منہ قلعے ہیں، وہ اپنے بال

کھینچتے ہوں گے، ان میں سے ایک میں اتنی طاقت ہوگی جتنی جن وانس میں طاقت ہے، ان میں سے ایک پوری امت کو ہانک لے گا اس کی گردن پر ایک پہاڑ ہوگا وہ ان سب کو آگ میں پھینک دے گا اور ان پر پہاڑ پھینک دے گا''۔

میں نے کہا: ابن مبارک نے ذکر کیا کہا حماد بن سلمہ، ازرق بن قیس سے وہ بنی تمیم کے ایک آدمی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم ابوعوام کے پاس تھے انہوں نے اس آیت کو پڑھا وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِیْ وَ لَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ پوچھا: یہ انیس کیا ہے، انیس ہزار فرشتے یا انیس فرشتے؟ میں نے کہا: نہیں بلکہ انیس فرشتے۔ پوچھا: تو نے یہ کہاں سے سیکھا؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا کہا: تو نے سچ کہا وہ انیس فرشتے ہیں ان میں سے ہر ایک فرشتے کے پاس ایک گرز ہوگا جس کی آگے دو شاخیں ہوں گی وہ ایک ضرب لگائے گا تو اس کے ساتھ ستر ہزار افراد کو جہنم میں گرا دے گا۔ حضرت عمرو بن دینار سے مروی ہے: ان میں سے ہر ایک، ایک ہی دفعہ کے ساتھ ربیعہ اور مضر سے زیادہ افراد کو جہنم میں ڈال دے گا۔

امام ترمذی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ کچھ یہودیوں نے کچھ صحابہ کرام سے کہا: کیا تمہارا نبی جہنم کے داروغوں کی تعداد کو جانتا ہے؟ صحابہ نے کہا: جب تک ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ پوچھ لیں ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی مغلوب ہو گئے پوچھا: ''وہ کیسے مغلوب ہوئے؟'' اس نے عرض کی: یہودیوں نے ان سے سوال کیا: کیا تمہارا نبی جہنم کے داروغوں کو جانتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ''صحابہ نے کیا جواب دیا؟'' اس نے عرض کی: صحابہ نے کہا ہم کچھ نہیں جانتے یہاں تک کہ ہم اپنے نبی سے سوال کر لیں۔ فرمایا: ''کیا وہ قوم مغلوب ہو گئی جن سے ایسی بات پوچھی گئی جس کو وہ نہ جانتے تھے تو انہوں نے یہ کہا اسے نہیں جانتے جب تک ہم اس کے بارے میں اپنے نبی سے نہ پوچھ لیں؟ جب کہ انہوں نے تو اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ عیاں دکھا۔ اللہ کے دشمنوں کو میرے پاس لے آؤ میں ان سے جنت کی مٹی کے بارے میں سوال کرنے والا ہوں جب کہ وہ میدے کی طرح سفید ہے جب وہ آ گئے انہوں نے عرض کی: اے ابا القاسم! جہنم کے داروغوں کی تعداد کتنی ہے؟ فرمایا: اتنی اتنی''۔ ایک دفعہ دس انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا اور دوسری دفعہ نو کے ساتھ۔ انہوں نے کہا: ہاں (اتنی ہی ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا: ''جنت کی مٹی کیسی ہے؟'' وہ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر کہا: اے ابا القاسم! کیا وہ روٹی جیسی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا: روٹی میدے کی ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے اسی سند سے جانتے ہیں یعنی مجاہد، شعبی سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں (1) ابن وہب نے ذکر کیا اس نے کہا عبد الرحمن بن زید نے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنم کے داروغوں کے بارے میں فرمایا: ''ان میں سے ایک کے کندھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا مشرق و مغرب کے درمیان ہوتا ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان میں سے ایک کے کندھوں کے درمیان فاصلہ ایک سال کی مسافت ہوگی، ان میں سے ایک کی

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ المدثر، حدیث نمبر 3250، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

قوت یہ ہوگی کہ وہ ایک گرز مارے گا تو ایک ہی دفعہ ستر ہزار انسانوں کو جہنم میں پھینک دے گا۔

میں کہتا ہوں: انشاء اللہ صحیح یہ ہے کہ یہ انیس سردار اور نقیب ہیں جہاں تک ان کی کل تعداد کا تعلق ہے عبارت اس کے اظہار سے عاجز ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (مدثر: 31) تیرے رب کے لشکروں کو اس ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس دن جہنم کو لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور ضحاک نے کہا: جب عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ آیت نازل ہوئی؛ ابوجہل نے قریش سے کہا: تمہاری مائیں تم پر روئیں میں ابن ابی کبشہ کو سنتا ہوں جو تمہیں خبر دیتا ہے کہ جہنم کے انیس دارو غے ہیں جب کہ تمہاری اتنی تعداد اور تم اتنے بہادر ہو کیا تم اس بات سے بھی عاجز ہو کہ تم میں سے دس آدمی ایک کو پکڑ لیں؟ سدی نے کہا: ابو اسود بن کلدہ جمحی نے کہا: انیس تمہیں پریشان نہ کریں میں اپنے دائیں کندھے سے دس فرشتوں اور اپنے بائیں کندھے سے نو کو روک لوں گا، پھر تم جنت میں داخل ہو جانا۔ وہ یہ بات بطور مزاق کے کیا کرتا۔ ایک روایت میں ہے حرث بن کلدہ نے کہا: میں سترہ کو تمہاری جانب سے کافی ہوں، تم میری جانب سے دو کو کافی ہو جانا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ابوجہل نے یہ کہا تھا: کیا تم میں سے سو عاجز ہیں کہ ان میں ایک کو پکڑ لیں پھر تم جہنم سے نکل جاؤ تو یہ آیت نازل ہوئی وَ مَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓىِٕكَةً یعنی ہم نے انہیں انسان نہیں بنایا کہ تم ان پر غلبہ پا سکو۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہیں فرشتے اس لیے بنایا کیونکہ وہ جن وانس کے خلاف ہوں جنہیں عذاب دیا جانے والا ہے تو انہیں وہ چیز اپنی گرفت میں نہ لے گی جو شفقت اور رحمت ہم جنس کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ وہ دارو غے جہنمیوں کے لیے راحت طلب نہیں کریں گے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو بجالانے والے اور اس کے لیے غضب ناک ہونے والی سب سے قوی مخلوق ہے کہ ان کی نرمی فائدہ دے۔ ایک اور وجہ یہ ہے وہ پکڑ اور قوت کے لحاظ سے سب سے قوی مخلوق ہے۔ وَ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً فتنہ کا معنی آزمائش ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کئی سندوں سے مروی ہے: ہم نے اس تعداد کو کافروں کے لیے گمراہی بنا دیا ہے، اس سے مراد ابوجہل اور اس کے ساتھی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فتنہ سے مراد عذاب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ اس روز انہیں آگ پر عذاب دیا جائے گا تم اپنے عذاب کو چکھو۔ (الذاریات)

یعنی ہم نے اسے ان کے کفر اور عذاب کا سبب بنا دیا۔

تِسْعَةَ عَشَرَ میں سات قرائتیں ہیں عام قراءت تِسْعَةَ عَشَرَ ہے۔ ابوجعفر بن قعقاع اور طلحہ بن سلیمان نے عین کو ساکن کرتے ہوئے تسعۃَ عْشَر پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تسعۃُ عشر منقول ہے۔ حضرت انس بن مالک سے تسعۃُ وعشر، تسعۃُ وعشر، تسعۃ اعشر منقول ہے؛ مہدوی نے اسے ذکر کیا ہے۔ جس نے تسعۃَ عْشَر پڑھا ہے اس نے عین کو اس لیے ساکن کیا ہے کیونکہ پے در پے حروف متحرک آرہے ہیں۔ جس نے اسے تسعۃ وعشر پڑھا ہے وہ اسے ترکیب سے قبل اصل پر لایا ہے اور عشر کو تسعۃ پر معطوف کیا ہے اور کثرت استعمال کی وجہ سے تنوین کو حذف کر دیا اور

عشر کی راء کو سکوت کے ارادہ سے ساکن پڑھا ہے جس نے تسعۃ عَشَر پڑھا ہے گویا یہ تداخل سے ہے گویا اس نے عطف کا ارادہ کیا اور ترکیب کو ترک کر دیا۔ تسعۃ اعشر یہ قراءت معروف نہیں۔ ابو حاتم نے اس قراءت کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح تسعۃ وعشر ہے کیونکہ یہ بھی تِسْعَۃَ عَشَرَ پر محمول ہے واؤ ہمزہ کا بدل ہے۔ نحویوں کے نزدیک اس کی کوئی وجہ نہیں۔ زمخشری نے کہا: اسے تسعۃ اعشر پڑھا گیا ہے اعشر، عشیر کی جمع ہے جس طرح یمین کی جمع ایمن آتی ہے۔

لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ تا کہ جنہیں تورات اور انجیل دی گئی ہے انہیں یقین ہو جائے کہ جہنم کے داروغوں کی جو تعداد ذکر کی گئی ہے وہ اس کے موافق ہے جو ان کے پاس تعداد مذکور ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، قتادہ، ضحاک، مجاہد اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ پھر یہ احتمال ہے کہ اہل کتاب میں سے مومن مراد ہیں حضرت عبداللہ بن سلام۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے سب مراد ہیں۔ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِيْمَانًا اور اس لیے تا کہ اس پر ایمان رکھنے والوں کے ایمان میں اضافہ ہو کیونکہ جب بھی انہوں نے کتاب اللہ میں موجود چیز کی تصدیق کی وہ ایمان لائے پھر جب انہوں نے جہنم کے داروغوں کی تعداد کی تصدیق کی تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوا۔ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اہل کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس بات میں شک نہیں کرتے کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد انیس ہے۔ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یعنی اہل مدینہ کے منافقوں کے سینوں میں شک اور نفاق ہے جو ہجرت کے بعد آئندہ زمانہ میں ظاہر ہونے والے تھے۔ مکہ مکرمہ میں کوئی نفاق نہیں تھا یہ مدینہ طیبہ میں ظاہر ہوا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ معنی یہ ہے تا کہ وہ منافق کہیں جو آئندہ زمانہ میں ہجرت کے بعد ظاہر ہونے والے تھے۔ وَّالْكٰفِرُوْنَ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا یعنی جہنم کے داروغوں کی تعداد سے اللہ تعالیٰ نے کیا ارادہ کیا ہے۔

حسین بن فضل نے کہا: سورت مکی ہے اور مکہ مکرمہ میں نفاق نہیں تھا۔ اس آیت میں مرض سے مراد اختلاف ہے اور کفار سے مراد عرب کے مشرک ہیں؛ اکثر مفسرین کی رائے پہلے قول کے موافق ہے۔

یہ بھی جائز ہے مَّرَضٌ سے مراد شک اور ارتیاب ہو، کیونکہ اہل مکہ میں سے اکثر شک کرنے والے تھے۔ بعض قطعی طور پر جھٹلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کے بارے میں خبر دیتا ہے: مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا وہ عدد جو بطور حکایت ذکر کیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے کس چیز کا ارادہ کیا ہے یعنی یہ کیسی حکایت ہے۔ لیث نے کہا: مثل کا معنی حکایت ہے اس معنی میں مثل الجنۃ التی وعد المتقون (رعد: 35)

اس جنت کی کیفیت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے داروغوں کے بارے میں جس طرح ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کو گمراہ کیا جس کو چاہتا ہے، رسوا کرتا ہے اور اندھا بنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہدایت عطا فرمائی۔ ایک قول یہ کیا گیا: جسے چاہتا ہے جنت سے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کے بارے میں چاہتا ہے اسے راہنمائی دیتا ہے۔

وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کو عذاب دینے کے لیے جنہیں پیدا کیا اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ ابو جہل کے جواب میں کلام کی گئی جس نے یہ کہا تھا: جہاں تک محمد کے لشکروں کا تعلق ہے وہ انیس ہیں۔ حضرت ابن عباس بنی الله عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمار ہے تھے تو حضرت جبرئیل امین حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے ایک فرشتہ آیا اس نے کہا: تیرا رب تجھے یہ حکم دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف ہوا کہ یہ کہیں شیطان ہی نہ ہو فرمایا: اے جبرئیل! کیا تو اسے پہچانتا ہے؟ حضرت جبرئیل نے عرض کی: یہ فرشتہ ہے، میں تیرے رب کے تمام فرشتوں کو نہیں پہچانتا۔

اوزاعی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب! آسمان میں کون ہے؟ فرمایا: میرے فرشتے۔ عرض کی: اے میرے رب! ان کی تعداد کتنی ہے؟ فرمایا: بارہ سبط۔ عرض کی: ہر سبط کی کیا تعداد ہے؟ فرمایا: مٹی کے برابر؛ ثعلبی نے یہ دونوں قول ذکر کیے۔ ترمذی شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ”آسمان آواز نکالنے لگا اس کو زیبا یہی ہے کہ وہ آواز نکالے اس میں چار انگلیوں کے برابر بھی جگہ نہیں مگر ایک فرشتہ سجدہ کی حالت میں اپنی پیشانی رکھے ہوئے ہے“۔

وَ مَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝ ذِكْرٰى سے مراد دلائل، حجتیں اور قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا هِيَ سے مراد وہ آگ جو سقر ہے یعنی وہ آگ مخلوقات کے لیے نصیحت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا کی آگ آخرت کی آگ کو یاد کرانے والی ہے؛ یہ زجاج نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: یہ تعداد نہیں مگر انسانوں کے لیے نصیحت، یعنی وہ نصیحت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کو جانیں وہ اعوان و انصار کا محتاج نہیں۔ اس صورت میں وَ مَا هِيَ کی ضمیر جنود کی طرف لوٹے گی کیونکہ قریب وہ ہی مذکور ہے۔

كَلَّا وَ الْقَمَرِ ۝﴿32﴾ وَ الَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝﴿33﴾ وَ الصُّبْحِ اِذَاۤ اَسْفَرَ ۝﴿34﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۝﴿35﴾
نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۝﴿36﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ۝﴿37﴾ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ
رَهِيْنَةٌ ۝﴿38﴾ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝﴿39﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝﴿40﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝﴿41﴾ مَا
سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝﴿42﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝﴿43﴾ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝﴿44﴾ وَ كُنَّا
نَخُوْضُ مَعَ الْخَآىِٕضِيْنَ ۝﴿45﴾ وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴿46﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝﴿47﴾
فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝﴿48﴾

”ہاں ہاں چاند کی قسم! اور رات کی قسم! جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جائے یقیناً دوزخ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے، ڈراوا ہے لوگوں کے لیے ان کے لیے جو تم سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا پیچھے رہنا چاہتے ہیں۔ ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے سوائے اصحاب یمین کے جو جنتوں میں ہوں گے، اہل جنت پوچھیں گے مجرموں سے کہ کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا۔ وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور

مسکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے اور ہم ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی میں لگے رہتے اور ہم جھٹلایا کرتے تھے روز جزا کو یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا پس انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت"۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ فراء نے کہا: كَلَّا قسم کا صلہ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ای والقمر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے حقا والقمر۔ ان دونوں تقدیروں کی بنا پر كَلَّا پر وقف نہیں ہوگا۔ طبری نے اس پر وقف کو جائز قرار دیا ہے اور اسے ان لوگوں کا رد بنایا ہے جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ جہنم کے داروغوں کا مقابلہ کر سکیں گے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح وہ آدمی گمان کرتا ہے کہ وہ جہنم کے داروغوں کا مقابلہ کرلے گا، پھر اس امر کو ثابت کرنے کے لیے جاندار اور مابعد مذکور چیزوں کی قسم اٹھائی۔

وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ یعنی جب رات پھرے اسی طرح دَبَرَ کا معنی بھی یہی ہے۔ نافع، حمزہ اور حفص نے اذ ادبر قراءت کی جب کہ باقی قراء نے اذا دبر قراءت کی یعنی اِذْ اَ الف کے ساتھ اور دَبَرَ الف کے بغیر ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہم معنی ہیں۔ کہا جاتا ہے: دَبَرَ، ادبر اسی طرح قَبِلَ اللیل واقبل۔ عربوں نے کہا: امس الدابر والمدبر۔ صخر بن عمرو بن شرید سلمی نے کہا:

وَلَقَدْ قَتَلْنَاكُمْ ثُنَاءً وَ مُوحَدًا　　وَتَرَكْتُ مُرَّةَ مِثْلَ أَمْسِ الدَّابِرِ

تحقیق ہم نے تمہیں دو دو اور ایک ایک قتل کیا اور میں نے مرہ کو گزشتہ کل کی طرح چھوڑا۔

شعر میں دابر کی جگہ مدبر بھی روایت کیا گیا ہے؛ یہ فراء اور اخفش کا قول ہے۔ بعض اہل لغت نے کہا: دَبَرَ اللیل۔ جب وہ گزر جائے اور ادبر یعنی وہ پلٹنے لگی۔ مجاہد نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ کے بارے میں پوچھا تو آپ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ وہ پلٹنے لگی۔ فرمایا: اے مجاہد یہ وہ وقت ہے جب رات پلٹتی ہے۔ محمد بن سمیقع نے واللیل اذا ادبر دونوں الفوں کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب کے صحیفوں میں اسی طرح ہے۔ قطرب نے کہا: جس نے دَبَرَ پڑھا تو وہ اس کا معنی اقبل لے گا۔ یہ عربوں کے قول دبر فلان سے ماخوذ ہے۔ جب وہ تیرے پیچھے سے آئے۔ ابوعمرو نے کہا: یہ قریش کی لغت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت مروی ہے جس میں ہے: صحیح اَدْبَرَ ہے کیونکہ وہ اونٹ کی پشت کو زخمی کرتی ہے۔ ابوعبید نے اِذْ اَدْبَرَ کو پسند کیا ہے کیونکہ یہ مابعد حروف کے زیادہ موافق ہے کیا تو نے اسے یہ کہتے ہوئے نہیں دیکھا وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے ایک جگہ اِذْ ہو اور دوسری جگہ اِذَا ہو۔ قرآن حکیم میں کوئی ایسی قسم نہیں جس کے بعد اِذْ ہو قسم کے بعد اِذَا ہوتا ہے۔ اَسْفَرَ کا معنی روشن ہونا ہے عام قراءت اَسْفَرَ الف کے ساتھ ہے ابن سمیقع نے سَفَرَ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں یہ کہا جاتا ہے: سفر وجه فلان واسفر یہ اس وقت بولتے ہیں جب چہرہ روشن ہو جائے۔ حدیث طیبہ میں ہے اسفروا بالفجر فجر کو خوب روشن کرو کیونکہ یہ عظیم اجر کا باعث ہوتا ہے(1) مراد یہ ہے صبح کی نماز خوب روشن کر کے پڑھو۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اسے صبح کے روشن ہونے تک لمبا کرو۔ اسفار کا معنی روشن کرنا ہے اسفر وجهه حسنا اس کا چہرہ حسن کی وجہ سے روشن ہوا۔ سفرت المراة

1۔ جامع ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی الاسفار بالفجر، حدیث نمبر 142، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یعنی عورت نے اپنے چہرہ سے پردہ ہٹا دیا، اس سے اسم فاعل سافر آتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ سفر الظلام سے ماخوذ ہو، یعنی اس نے تاریکی کو دور کیا جس طرح بولتے ہیں سفر البیت یعنی گھر میں جھاڑو دیا جاتا ہے اسی سے سفیر ہے سفیرات کہتے ہیں جو درخت کے پتوں میں سے گرے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اسے سفیر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ہوا اسے اڑا لے جاتی ہے۔ مسفرۃ کا معنی جھاڑو ہے۔

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۝ یہ جواب قسم ہے یعنی یہ جہنم کی آگ بڑی مصیبتوں میں سے ایک ہے۔ مقاتل کی تفسیر میں ہے الکبر جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ان کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانا گناہ کبیرہ میں سے ایک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: قیامت کا برپا ہونا بڑی مصیبتوں میں سے ایک ہے۔ **الْكُبَرِ** عذابوں میں سے بڑے عذاب کو کہتے ہیں۔ راجز نے کہا:

يابن المعلى نزلت إحدى الكبر　داهيةُ الدهر وصَمّاءُ الغبر

اے ابن معلی! ایک بڑی مصیبت نازل ہوئی جو زمانے کی مصیبتوں میں سے بڑی ہے۔

کبر کا واحد کبریٰ ہے جس طرح صغر کا واحد صغریٰ ہے اسی طرح عظم اور عظمیٰ ہے عام قراء نے لاحدی پڑھا ہے یہ ایسا اسم ہے جو ابتداءً تانیث کے لیے وضع کیا گیا ہے یہ مذکر پر مبنی نہیں، جس طرح عقبیٰ اور اخریٰ ہے اس کا الف قطعی ہے یہ وصل کی صورت میں بھی نہیں گرتا۔ جریر بن حازم نے ابن کثیر سے انها لحدی الکبر روایت کیا ہے یعنی ہمزہ کو حذف کر دیا۔

نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۝ یعنی اس صفت سے موصوف آگ لوگوں کو خبردار کرنے والی ہے۔ **نَذِيْرًا**، انها کی ضمیر سے حال ہے: یہ زجاج کا قول ہے۔ **نَذِيْرًا** کو مذکر ذکر کیا ہے کیونکہ اس کا معنی عذاب ہے یا یہ نسبت کے معنی میں ہے یعنی ذات انذار۔ جس طرح ان امثلہ میں اسم فاعل نسبت کے معنی میں ہے: امرأۃ طالق وطاہر۔

خلیل نے کہا نذیر مصدر ہے جس طرح نکیر مصدر ہے اسی وجہ سے اس کے ساتھ اسم مونث کی صفت ذکر کر دی جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس سے زیادہ خوفناک چیز کے ساتھ نہیں ڈرایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نذیر سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ معنی یہ ہوگا لوگوں کو ڈرانے کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ **نَذِيْرًا**، قم میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہے جو **قُمْ** فعل سورت کے آغاز میں ہے۔ ارشاد فرمایا: **قُمْ فَاَنْذِرْ ۝** ابو علی فارسی اور ابن زید نے یہ کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فراء نے اس کا انکار کیا۔ ابن انباری نے کہا: بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے اے چادر اوڑھنے والے! لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے اٹھیے۔ یہ تعبیر پسندیدہ نہیں کیونکہ ان دونوں کے درمیان کلام بہت طویل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ ابو معاویہ ضریر نے روایت کی ہے اسماعیل بن سمیع نے ابو رزین سے روایت نقل کی ہے کہ **نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۝** کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمہیں اس سے خبردار کرنے والا ہوں اس سے ڈرو۔ اس صورت میں **نَذِيْرًا** حال ہوگا، یعنی ہم نے جہنم کے داروغے نہیں بنائے مگر فرشتے اس حال میں کہ اس کے ساتھ انسانوں کو خبردار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ھو سے حال ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے وَ

مَایَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مصدر کی جگہ واقع ہے گویا یہ فرمایا: انذارا للبشر۔ فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ نذیر، انذار کے معنی میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی انذر انذارا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فكيف كان نذير یعنی میرا ڈرانا کیسا ہے؟ اس صورت میں یہ سورت کے آغاز کی طرف راجع ہوگی۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قم فانذر انذارا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ ابن ابی عبلہ نے نذیر کو مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں ھو ضمیر مضمر ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قرآن انسانوں کو خبردار کرنے والا ہے کیونکہ یہ اپنے اندر وعدہ اور وعید کو لیے ہوئے ہے۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ لام تعلیل نَذِیْرًا کے ساتھ متعلق ہے یعنی یہ خبردار کرنے والا ہے اسے بھی جو خیر اور طاعت کی طرف آگے بڑھے یا شر اور معصیت کے لیے پیچھے ہٹے۔ اس کی مثل وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ (حجر) ہے۔ تحقیق ہم نے تم میں سے خیر کی طرف آگے بڑھنے والوں کو بھی جان لیا اور تم میں سے جو اس سے پیچھے رہنے والے ہیں انہیں بھی جان لیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ وعید اور دھمکی ہے اگرچہ خبر کے انداز میں ذکر کی گئی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ (کہف:29) جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر اختیار کرے۔ بعض اہل تاویل نے یہ تعبیر کی ہے اس کا معنی ہے جس کے حق میں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ آگے بڑھے اور پیچھے رہے۔ مشیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہے یہاں تقدیم سے مراد ایمان اور تاخیر سے مراد کفر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: یہ دھمکی اور آگاہی ہے کہ جو آدمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی طرف بڑھا اسے ایسا بدلہ دیا جائے گا جو ختم نہ ہوگا اور جو طاعت سے پیچھے رہا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اسے ایسا عذاب دیا جائے گا جو ختم نہ ہوگا۔ سدی نے کہا: اس سے مراد ہے جو مذکورہ آگ کی طرف آگے بڑھا یا جنت کی طرف جانے کے لیے اس سے پیچھے ہٹا۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ﴿۳۸﴾ ہر نفس اپنی کمائی کے بدلہ میں رہن رکھا گیا ہے اور اپنے عمل کے بدلے میں ماخوذ ہے یا تو اس کا عمل اسے چھٹکارا دلائے گا یا اسے ہلاک کرے گا۔ رَهِیْنَةٌ، رھین کی مونث ہے کیونکہ نفس مونث ہے کیونکہ اس کی صفت کا قصد کیا جاتا تو رھین ہوتا۔ کیونکہ فعیل کا وزن جب اسم مفعول کا معنی دے تو اس میں مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں بلکہ یہ رہن کے معنی میں اسم ہے، جس طرح شتيمة، شتم کے معنی میں ہے گویا کلام یوں کی گئی ہے كل نفس بما كسبت رھین؛ اسی معنی میں حماسہ کا شعر ہے:

أَبَعْدَ الَّذِی بِالنَّعْفِ نَعْفِ كُوَیْكِبٍ رَهِیْنَةُ رَمْسٍ ذِی تُرَابٍ وَجَنْدَلِ

گویا رَهْنَ رمس کہا۔ معنی یہ ہوگا: ہر نفس اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے اعمال کے بدلہ میں رہن رکھا گیا ہے اسے آزادی نہیں۔

اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ ﴿۳۹﴾ وہ اپنے گناہوں کے عوض رہن نہیں رکھے گئے۔ اصحاب الیمین کی تعیین میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد فرشتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا: مسلمان کی اولادیں مراد ہیں جنہوں نے کوئی عمل نہ کیا کہ وہ عمل کے بدلے رہن رکھے جاتے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب

سے جن کے لیے حسنیٰ مقدر ہو چکی ہے۔ اسی کی مثل ابن جریج سے مروی ہے ہر نفس کا اس کے عمل کے بدلے میں محاسبہ ہوگا مگر اصحاب یمین وہ جنتی لوگ ہیں ان کا محاسبہ نہیں ہوگا۔ مقاتل نے بھی اسی طرح کی گفتگو کی ہے: اس سے مراد وہ جنتی ہیں جو یوم میثاق کو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں طرف تھے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: یہ جنت میں ہیں مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں۔ حضرت حسن بصری اور ابن کیسان نے کہا: یہ مخلص مومن ہیں ان کو رہن نہیں رکھا گیا، کیونکہ انہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے۔ ابوظبیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس سے مراد مسلمان ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اصحاب حق اور اہل ایمان ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو ان کی کتابیں ان کے دائیں ہاتھ میں دی گئیں۔ ابو جعفر باقر نے کہا: ہم اور ہمارے حمایتی اصحاب یمین ہیں اور جس نے بھی ہم اہل بیت سے بغض رکھا وہ رہن رکھے گئے ہیں۔ حکم نے کہا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ نے جنہیں اپنی خدمت کے لیے چن لیا وہ رہن میں داخل نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خادم اور چنے ہوئے ہیں ان کا عمل انہیں کوئی نقصان نہیں دے گا۔ قاسم نے کہا: ہر نفس کا خیر اور شر کے بدلے میں مواخذہ ہوگا مگر جو اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت پر اعتماد کرے نہ کہ اپنے عمل اور خدمت پر اعتماد کرے۔ جس نے بھی اپنے عمل پر اعتماد کیا وہ ہی رہن رکھا گیا ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کیا وہ ماخوذ نہیں ہوگا۔

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۙ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۙ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ جَنّٰتٍ سے مراد باغات ہیں۔ يَتَسَآءَلُوْنَ، یسألون کے معنی میں ہے یعنی جنتی مشرکوں سے سوال کریں گے: کس چیز نے تمہیں جہنم میں داخل کیا ہے؟ جس طرح تو کہتا ہے: سلکت الخیط فی کذا، یعنی میں نے اس میں دھاگہ داخل کر دیا۔ کلبی نے کہا: جنتی جہنمی سے اس کا نام لے کر سوال کرے گا وہ اسے کہے گا: اے فلاں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی قراءت میں ہے: اے فلاں! تجھے کس چیز نے جہنم میں داخل کیا؟ کلبی سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یوں قراءت کی یا فلان ماسلککم فی سقر۔ یہ قرأت آیت کی تفسیر بیان کرنے کے طریقہ پر ہے یہ قرآن حکیم کا حصہ نہیں جس طرح وہ لوگ گمان کرتے ہیں جو قرآن حکیم پر طعن کرتے ہیں؛ یہ ابوبکر بن انباری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مومن فرشتوں سے اپنے قریبی رشتہ داروں کے بارے میں پوچھیں گے اور فرشتے مشرکوں سے پوچھیں گے انہیں کہیں گے: تمہیں جہنم میں کس چیز نے داخل کیا؟ فراء نے کہا: اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ اصحاب یمین سے مراد بچے ہیں کیونکہ وہ گناہوں کو نہیں جانتے۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۙ وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝ جہنمیوں نے کہا: ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، ہم صدقہ نہیں کرتے تھے اور ہم اہل باطل کے ساتھ ان کے باطل میں شامل ہو جایا کرتے تھے۔ ابن زید نے کہا: ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ وہ یہ کہتے: وہ کاہن، مجنون، شاعر اور جادوگر ہے۔ سدی نے کہا: ہم جھٹلانے والوں کے ساتھ مل کر جھٹلایا کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا: جب بھی کوئی گمراہ گمراہوں جیسا عمل کرتا ہم بھی اس کے ساتھ اس عمل میں شریک ہو جاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ہم تو پیروکار تھے ہم پیشوا نہیں تھے۔

وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾ ہم یوم قیامت یعنی یوم جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہم پر موت واقع ہوگئی اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾ (الحجر) اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے موت آئے۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾ یہ گناہگاروں کے حق میں شفاعت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل توحید میں سے کچھ لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا پھر ان کی شفاعت کی جائے گی اللہ تعالیٰ ان کے موحد ہونے اور شفاعت کی وجہ سے ان پر رحم فرمائے گا اور انہیں جہنم سے نکال دے گا۔ کفار کا کوئی شفیع نہیں ہوگا جو ان کے بارے میں شفاعت کرے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارے نبی چار میں سے چوتھے نمبر پر شفاعت کریں گے۔ حضرت جبرئیل پھر حضرت ابراہیم پھر حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہم السلام پھر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر ملائکہ، پھر انبیاء، پھر صدیق، پھر شہداء۔ ایک قوم جہنم میں رہ جائے گی تو انہیں کہا جائے گا: تمہیں کس چیز نے جہنم میں داخل کیا؟ تو وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: یہی لوگ جہنم میں رہ جائیں گے۔ ہم نے اس کی سند کتاب التذکرہ میں ذکر کی ہے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾

''پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں گویا وہ بدکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ ان کو کھلے ہوئے صحیفے دیئے جائیں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، دراصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں''۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ اہل مکہ کو کیا ہو گیا ہے کہ انہوں نے اس چیز سے اعراض کیا اور منہ پھیر لیا جو آپ لائے تھے۔ مقاتل کی تفسیر میں ہے، قرآن حکیم سے اعراض دو طریقوں سے ہوتا ہے (۱) انکار (۲) اس کے حکم پر عمل کو چھوڑ دینا۔ مُعْرِضِيْنَ، لھم میں ھم ضمیر سے حال ہے اور اس کے لام میں فعل کا معنی پایا جاتا ہے حال کو نصب فعل کے معنی کی وجہ سے ہے۔

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ گویا یہ کفار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگنے میں بدکے ہوئے گدھے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد وحشی گدھے ہیں۔ نافع اور ابن عامر نے فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے منفرۃ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسی قراءت کو پسند کیا ہے جب کہ باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی کافرہ ہے، کہا جاتا ہے: نفرت، استنفرت دونوں ہم معنی ہیں، جس طرح عجبت، استعجبت اور سخرت، استخرت ہے۔ فراء نے یہ شعر پڑھا ہے:

أَمْسِكْ حِمَارَكَ إِنَّهُ مُسْتَنْفِرٌ فِي إِثْرِ أَحْمِرَةٍ عَمَدْنَ لِغُرُبِ

اپنے گدھے کو روکو وہ گدھوں کے پیچھے بھاگا جا رہا ہے جنہوں غرب (جگہ کا نام) کا قصد کیا۔

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ وہ ان تیراندازوں سے بھاگے جا رہے ہیں جو انہیں تیر مارتے ہیں۔ اہل لغت میں سے ایک نے کہا: قَسْوَرَةٍ کا معنی تیرانداز ہے، اس کی جمع قَسْوَرَةٍ ہے۔ سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور ابن کیسان نے کہا: قَسْوَرَةٍ سے مراد تیرانداز اور شکاری ہیں۔ عطا، حضرت ابن عباس اور ابوظبیان (ابوحیان) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: اس سے مراد شیر ہے؛ یہی قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: قَسْوَرَةٍ کا معنی غلبہ ہے شیر، درندوں پر غالب آ جاتا ہے اور وحشی گدھے درندوں سے دور بھاگتے ہیں۔ ابوحمزہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہا: میں عربوں میں سے کسی کی لغت میں بھی قَسْوَرَةٍ کا معنی شیر نہیں جانتا کہیں یہ لوگوں کی جماعتیں ہیں کہا: قَسْوَرَةٍ سے مراد بہادروں کی جماعتیں ہیں اور یہ شعر پڑھا:

يا بنتُ كُونِي خَيْرَةً لِخَيْرَة أخوالُها الجنِ وأهلُ القَسْوَرَة

اے بیٹی خیرہ! کے لیے اچھی صفات والی ہو جا اس کے ننہال جن اور بڑی جماعتوں والے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: اس کا معنی لوگوں کی آوازیں ہیں۔ انہیں سے ایک قول یہ بھی مروی ہے فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ یعنی وہ شکاریوں کی چالوں سے بھاگے ہوئے ہیں۔ انہیں سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: عربوں کی زبان میں قَسْوَرَةٍ سے مراد شیر اور حبشیوں کی زبان میں تیرانداز، ایرانیوں کی زبان میں شیر اور نبطیوں کی زبان میں اریا ہے۔ ابن اعرابی نے کہا: قَسْوَرَةٍ سے مراد رات کا پہلا حصہ ہے یعنی وہ رات کی تاریکی سے بھاگے ہوئے ہیں۔ عکرمہ نے بھی یہی قول کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رات کی سیاہی کا پہلا حصہ قسور کہلاتا ہے اور رات کی سیاہی کے آخری حصہ کو قسورہ اور قسور کہتے ہیں۔ لبید بن ربیعہ نے کہا:

إذا هَتَفْنا هَتْفَةً في نَدِيِّنا أتانا الرجالُ العائدون القَسَاوِر

جب ہم نے اپنی مجلس میں آواز دی تو ہمارے پاس طاقتور لوگ آ گئے۔

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ یعنی انہیں کھلی کتاب دی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوجہل اور قریش کی ایک جماعت نے کہا: اے محمد! ہم میں سے ہر ایک کے پاس رب العالمین کی جانب سے ایک مکتوب لے آ جس میں یہ لکھا ہو: میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری طرف بھیجا ہے۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ (الاسراء: 93) ہم تیرے آسمان پر جانے کو تسلیم نہیں کریں گے یہاں تک کہ تو ہم پر کتاب نازل کرے جسے ہم پڑھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ کہا کرتے تھے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں تو وہ صبح کے وقت ہم میں سے ہر کسی کے پاس ایک صحیفہ لے آئیں جس میں اس کے جہنم سے بری ہونے اور اس سے محفوظ ہونے کا ذکر ہو۔ مطر وراق نے کہا: انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ انہیں بغیر عمل کے یہ چیز دے دی جائے۔ کلبی نے کہا: مشرکوں نے کہا ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی کے پاس صبح کے وقت اس کے سرہانے اس کا گناہ اور کفارہ لکھا ہوتا تھا ہمارے پاس اسی کی مثل لاؤ۔ مجاہد نے کہا: انہوں نے ارادہ کیا ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک کتاب ہو جس میں یہ تحریر ہو

یہ فلاں بن فلاں کے نام خط ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی یہ ہے کہ اس کا ذکر جمیل کیا جائے تو صحیفے ذکر کی جگہ مجازاً رکھے گئے انہوں نے کہا: جب انسان کے گناہ اس پر لکھے جاتے ہیں تو کیا وجہ ہے ہم اسے نہیں دیکھتے۔

كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾ ایسا ہرگز نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی حقا ہے یعنی یقیناً ایسا ہے۔ جب کہ پہلا معنی زیادہ عمدہ ہے کیونکہ اس میں ان کے قول کا رد ہے، یعنی جن کی وہ تمنا کرتے ہیں میں انہیں عطا نہیں کروں گا کیونکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔

سعید بن جبیر نے صُحُفًا مُنْشَرَةً پڑھا ہے جہاں تک حاء کو ساکن پڑھنے کا تعلق ہے تو اس میں تخفیف ہے جہاں تک نون کو ساکن پڑھنے کا تعلق ہے تو یہ شاذ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نشرت الثوب و شبهه۔ انشرت کے الفاظ نہیں کہے جاتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ صحیفہ کو میت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو گویا وہ لپیٹ دینے کی صورت میں مردہ ہے اور جب اسے پھیلایا گیا تو وہ زندہ ہو گیا۔ یہ جملہ بھی بولا گیا: انشر الله الميت۔ جس طرح میت کو زندہ کرنے کو کپڑا پھیلانے سے تشبیہ دی گئی اس بارے میں یہ جملہ بھی بولا گیا: نشر الله الميت، پس یہ بھی اس میں ایک لغت ہے۔

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

''ہاں ہاں یہ قرآن تو نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے۔ وہ اور نصیحت قبول نہیں کریں گے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ چاہے وہی اس کے قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے''۔

یہ سچی بات ہے کہ قرآن سراپا نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے وہ نصیحت حاصل نہیں کرتے اور نہ ہی نصیحت حاصل کرنے پر قادر ہوتے ہیں مگر اس وقت جب اللہ تعالیٰ اسے چاہے۔ عام قراءت يَذْكُرُوْنَ ہے ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾ اس میں بھی صیغہ غائب کا ہے۔ نافع اور یعقوب نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ یہ عام ہے سب اس يَذْكُرُوْنَ کی تخفیف پر متفق ہیں۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس کا حق رکھتا ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے پس جو مجھ سے ڈرا اور اس نے میرے ساتھ کسی کو الٰہ نہ بنایا تو میں اس کا مستحق ہوں کہ میں اسے بخش دوں (1)۔ الفاظ ترمذی کے ہیں امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: حدیث حسن غریب۔ ایک تفسیر میں ہے: جو آدمی اس کی بارگاہ میں بڑے بڑے گناہوں سے توبہ تائب ہوا میں اس کے بڑے گناہ بخشنے والا ہوں اور بڑے گناہوں سے اجتناب کے باعث چھوٹے گناہوں کو بخشنے والا ہوں۔ محمد بن نصر نے کہا: معنی ہے میں اس کا اہل ہوں کہ میرا بندہ مجھ سے ڈرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو میں اس کا اہل ہوں کہ میں اسے بخش دوں، میں اس پر رحم کروں میں غفور و رحیم ہوں۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب و من سورۃ المدثر، حدیث نمبر 3251، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ما یرجی من رحمۃ اللہ، حدیث نمبر 4288، ضیاء القرآن پبلی کیشنز